ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
10 تا 16 اکتوبر 2002ء

☆ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ! (اداریہ)

☆ خیر کیوں برآمد نہیں ہو رہا؟ (تجزیہ)

☆ چوتھی عالمی جنگ کا طبل بج چکا ہے! (چشم کشا)

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

حالیہ انتخابات اور تنظیم اسلامی

☆ اگرچہ تنظیم اسلامی کا مستقل موقف یہ ہے کہ:

پاکستان میں اسلامی نظام انتخابات کے ذریعے نافذ نہیں ہو سکتا!

بلکہ یہ کام صرف ایسی انقلابی جدوجہد کے ذریعے ممکن ہے جو سیرتِ نبوی ﷺ سے ماخوذ ہو!!

☆ تاہم ہماری قدیم رائے یہ بھی ہے کہ جب تک یہ انقلاب نہیں آتا ملک میں انتخابی عمل جاری رہنا چاہئے، بصورت دیگر ملک کا وجود ہی خطرے میں پڑ سکتا ہے!

☆ اس انتخابی عمل کے ضمن میں اب تک یہ اضافی کوتاہی بھی سدّ راہ رہی ہے کہ مختلف مذہبی جماعتوں نے ایک دوسرے کے مدمقابل بن کر انتخابات میں حصہ لیا جس سے دین پسند لوگوں کے ووٹ تقسیم ہو گئے!

☆ —— **الحمدللہ کہ اس بار پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ:** ——

بعض دینی و مذہبی جماعتیں "متحدہ مجلس عمل" کے عنوان سے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئی ہیں اور اگرچہ عام روایت کے مطابق جیسے جیسے انتخابات قریب آئے اس اتحاد میں بعض دراڑیں پڑ گئیں تاہم غنیمت ہے کہ تاحال یہ اتحاد بہت حد تک قائم ہے اور ایک ہی منشور اور انتخابی نشان کے ساتھ انتخابات میں حصہ لے رہا ہے!

☆ **اب چونکہ یہ امر مسلّم ہے کہ اگر اس اتحاد کو اکثریت نہ سہی قابل لحاظ تعداد میں سیٹیں مل گئیں ——**

تب بھی یہ اس عمل کو روکنے میں کسی حد تک مؤثر ہو سکتا ہے جو اس ملک کو ریاست اور معاشرے کی سطح پر لادینیت (سیکولرزم) کی طرف دھکیلنے کے مقصد سے عالمی شیطانی قوتوں کے زیر اثر شروع کر دیا گیا ہے!

☆ **لہٰذا تنظیم اسلامی اپنے رفقاء اور کارکنوں کے علاوہ عام مسلمانوں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ**

حکم قرآنی: "تعاونوا علی البر والتقوی" پر عمل کرتے ہوئے متحدہ مجلس عمل کے خصوصاً ایسے امیدواروں کی بھرپور حمایت کریں جو متقی اور متدیّن ہوں —— اور اگر عالم دین بھی ہوں تو یہ گویا سونے پر سہاگہ ہوگا!

شعبۂ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی

67۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور۔ (فون: 6316638-6366638)

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (البقرۃ:۱۴۴۔۱۴۵)

''ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف' تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ (لہٰذا) اب پھیر لیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔ (اے مسلمانو!) تم بھی جہاں کہیں ہو پھیر لیا کرو اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف' اور بیشک وہ جنہیں کتاب دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے' اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔ اور اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل (پھر بھی وہ) نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی اور نہ آپ پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلہ کی' اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر (بفرضِ محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آ چکا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں شمار ہوں گے''۔

حرم کعبہ کو چھوڑ کر جب مسلمان مدینہ میں آئے تو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے۔ اس طرح خانہ کعبہ کی طرف پشت ہوتی تھی اور یہ بات نہ صرف مسلمانوں کو کھلتی تھی بلکہ خود رسول اللہ ﷺ بھی اس کو محسوس کر رہے تھے۔ آپؐ کے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ نماز میں رُخ تو خانہ کعبہ کی طرف ہونا چاہئے۔ اسی لئے بار بار آپؐ کی نگاہ آسمان کی طرف اُٹھتی تھی کہ کب جبرئیلؑ آئیں اور تحویل قبلہ کا حکم ملے۔ لہٰذا یہاں انتہائی شفقت بھرے انداز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ کا محبوب قبلہ خانہ کعبہ ہی ہے تو آج سے اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کر لیجئے۔ اور اے مسلمانو! نماز پڑھتے ہوئے تم بھی اپنا رخ اسی جانب کیا کرو۔ اور جنہیں کتاب دی گئی تھی وہ خوب جانتے ہیں کہ یہی قبلہ حق ہے اُن کے پروردگار کی طرف سے۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے۔ دراصل بیت المقدس حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کیا تھا جو حضرت موسیٰؑ سے تقریباً چار سو سال بعد کا زمانہ ہے جبکہ بیت اللہ حضرت ابراہیمؑ نے بنایا تھا جو حضرت موسیٰؑ سے چار پانچ سو سال پہلے گزرے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اصل اور پہلا قبلہ تو یہی تھا جو انبیاء کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں کی قربان گاہ کا رُخ بھی جنوب کی طرف ہوتا تھا کیونکہ فلسطین سے خانہ کعبہ جنوب ہی کی طرف واقع ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے عربی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں انہوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ درحقیقت بنی اسرائیل کا قبلہ بھی یہی تھا۔ مگر اس بات کو جاننے کے باوجود کہ یہ قبلہ حق ہے' یہ لوگ اعتراضات' تنقید اور استہزا کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا۔ چنانچہ ان کے اس طرزِ عمل پر ارشاد ہوا کہ یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اللہ اُس سے غافل نہیں ہے۔

آگے فرمایا کہ اے نبی اگر آپؐ ان اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے سامنے اس قبلے کے حق میں تمام نشانیاں اور دلیلیں بھی لے آئیں تو یہ آپؐ کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔ اور آپؐ بھی ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ یہ خود بھی ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی نہیں کرتے کیونکہ بیت المقدس میں بھی یہود کا قبلہ مغرب کی جانب تھا اور عیسائیوں کا قبلہ مشرق کی طرف تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ہیکل سلیمانی کا مشرقی مقام وہ تھا جہاں حضرت مریمؑ نے اعتکاف کیا تھا اور وہیں ان کے پاس فرشتہ آیا تھا۔ اس حوالے سے عیسائیوں کے نزدیک اس کا مشرقی گوشہ مبارک اور زیادہ مقدس ہے۔

اس آیت میں یہ بات کہ اے نبیؐ! بالفرض' بالفرض آپؐ نے ان کی خواہشات یعنی ان کے قبلہ کی پیروی کی اس کے بعد کہ آپؐ کے پاس علم آ چکا ہے تو یقیناً آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے' جس کا سرے سے کوئی امکان تھا ہی نہیں' دراصل مخالفین کو سنانے کے لئے کہی گئی ہے کہ نبی تو ہمارے حکم کا پابند ہوتا ہے لہٰذا اس کے بارے میں کوئی توقع نہ رکھو کہ وہ تمہارے کہنے سننے سے کوئی اثر قبول کریں گے۔

فرمانِ نبویؐ — فضول سوالات سے بچنے کا حکم — چوہدری رحمت اللہ بٹر

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَ لُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ ' فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ)) (رواہ البخاری و مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات کا سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ بعض دفعہ یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ پس جس کو اس طرح کے سوال سے واسطہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔''

یعنی ایسے سوالات میں اُلجھنے کی بجائے یہ سیدھا راستہ ہے کہ ان کے بارے میں یہ رویہ اختیار کرے اور بات کو ختم کر دے ورنہ ایسے سوالات انسان کو شیطانی وساوس کا شکار بنا دیتے ہیں۔ جیسے ایک دوسرے فرمان میں آپؐ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں مومن اللہ کی پناہ مانگے اور ان (وساوس) سے اپنے آپ کو روک لے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

حافظ عاکف سعید

پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ!

الیکشن کے حوالے سے تادمِ تحریر سب کچھ پردۂ غیب میں ہے۔ الیکشن کے انعقاد میں ابھی دو دن باقی ہیں، لیکن جب تک پرچہ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے گا، پردہ اٹھ چکا ہوگا، الیکشن کے نتائج سامنے آ چکے ہوں گے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ''قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ!'' —— لہٰذا الیکشن کے حوالے سے کوئی نہ کوئی رائے دینا ہماری مجبوری ہے ورنہ قارئین کی جانب سے ''آج غالب غزل سرا نہ ہوا'' کا طعنہ لازم آجائے گا۔

حالیہ انتخابات کے بارے میں بعض حقائق بدیہی نوعیت کے ہیں۔ فکری و نظری اعتبار سے بے اصولی ہی کو اس بار اصول کا درجہ حاصل ہے۔ رائٹ اور لیفٹ کی تقسیم بے معنی ہو چکی ہے۔ سیاسی جماعتوں کے منشور کی حیثیت ثانوی ہے، فیصلہ کن عنصر ''اینٹی مشرف'' اور ''پرومشرف'' جھکاؤ کا ہے۔ اسی بنیاد پر مسلم لیگ کئی دھڑوں میں بٹ چکی ہے، گرینڈ الائنس کی تشکیل میں بھی فیصلہ کن عنصر یہی ہے —— اور اگرچہ ملک کی بڑی دینی سیاسی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ایک انتخابی نشان کے تحت الیکشن لڑ رہی ہیں لیکن ایڈجسٹمنٹ کے عنوان سے مختلف سیٹوں پر ان کی مفاہمت کہیں مسلم لیگ (ن) کے ساتھ ہے تو کہیں پیپلز پارٹی کے ساتھ! —— ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!

ایک بات تقریباً طے شدہ ہے کہ ریفرینڈم کی طرح موجودہ انتخابات کو بھی سرکاری سطح پر ''شفاف'' بنانے کی پوری کوشش کی جائے گی۔ صدر پرویز مشرف کا چونکہ آئندہ کم از کم چار پانچ سال تک ''کرسی صدارت'' چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے لہٰذا ان کی یہ خواہش کہ انتخابات کے نتیجے میں ایک ایسی پارلیمنٹ وجود میں آئے جو نہ صرف یہ کہ ان کے سابقہ اقدامات اور پالیسی کی تائید کرے بلکہ آئندہ بھی ان کے راہ کی رکاوٹ نہ بنے، ایک فطری امر ہے —— اینٹی مشرف تمام سیاسی جماعتیں اگرچہ دھاندلی کی صورت میں زبردست احتجاجی تحریک چلانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں، لیکن ایسی کوئی تحریک اٹھانا انکل سام کی مرضی اور اشیرباد کے بغیر ممکن نہ ہوگا۔ اگرچہ الیکشن کے نتائج اور بعد کے حالات کے بارے میں حتمی طور پر ابھی کوئی دعویٰ ہرگز کرنا ممکن ہے نہ مناسب، کہ یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے کہ حالات کیا رخ اختیار کریں گے۔ لیکن پاکستان میں تبدیلی حکومت اور تشکیل حکومت کے حوالے سے امریکہ کے سابقہ کردار اور اس کے آئندہ عزائم کو اگر مدِنظر رکھا جائے تو یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ پرویز مشرف کے حوالے سے امریکی پالیسی میں اگر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور اگر امریکہ کے نزدیک اس کے مذموم ایجنڈے کی تکمیل کے نقطۂ نظر سے موزوں ترین شخص کے طور پر صدر مشرف آئندہ بھی چند سال مفید مطلب ہو سکتے ہیں تو امریکہ دھاندلی کے تمام الزامات سے غضِ بصر کرتے ہوئے ان انتخابات کے شفاف ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے میں قطعاً تامل نہیں کرے گا۔ ایسی صورت میں مشرف کے خلاف تحریک چلانا آسان نہ ہوگا —— پھر دھاندلی کے الزامات کے حوالے سے امریکہ پرویز مشرف کو ان معاملات میں بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرے گا جن میں تاحال وہ امریکی دباؤ کو خاطر میں نہیں لائے۔ لیکن اگر امریکہ کے نزدیک ''چہرے کی تبدیلی'' اب ناگزیر ہو چکی ہو تو پھر انتخابات کے نتائج کے حوالے سے حکومت کے خلاف بھرپور عوامی تحریک کو در پردہ امریکہ کی سپورٹ حاصل ہوگی اور ایسے شخص کو آگے لانے کی کوشش کی جائے گی جو امریکی ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں مؤثر رول ادا کرنے کا اہل ہو۔ ایسا شخص سول میں سے بھی ہو سکتا ہے اور فوج میں سے بھی۔ تاہم ہماری ناقص رائے میں زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ فوج ہی میں سے کسی کو آگے لایا جائے گا۔ وقتی طور پر پاکستانی قوم کے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے ایک عارضی سول حکومت کا قیام اگر عمل میں آیا بھی تو غالب امکان اسی بات کا ہے کہ وہ فوج کی چھتری کے نیچے ہی ہوگا۔ واللہ اعلم

حاصل کلام یہ کہ اگرچہ سیاسی جماعتوں کے لئے موجودہ انتخابات کے حوالے سے نظری طور پر یہ امکان پیدا ہوا ہے کہ وہ شیر کے منہ سے نوالہ چھین سکیں، لیکن عالمِ واقعہ میں بظاہر حالات میں کسی بڑی تبدیلی کا امکان نظر نہیں آتا۔ دینی سیاسی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے باوجود الیکشن کے حوالے سے کوئی فیصلہ کن رول ادا کرنے کے قابل نہ ہو سکیں گی۔ اوپر کی سطح پر چہرے کی کوئی تبدیلی اگر آ گئی تب بھی امریکی اثر و نفوذ سے نکلنا آسان نہ ہوگا اس لئے کہ —

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 11 شمارہ 40

10 تا 16 اکتوبر 2002ء

(3 تا 9 شعبان المعظم 1423ھ)

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خان

معاونین: مرزا ایوب بیگ، سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک 250 روپے

بیرون پاکستان

☆یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ ......1500 روپے

☆امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ ......2200 روپے

انتخابات کا مقصد کسی ملک میں پہلے سے موجود نظام کو چلانا ہوتا ہے' اُسے بدلنا نہیں

1970ء کے انتخابات میں دینی جماعتیں متحد ہو کر حصّہ لیتیں تو آج ملک کی تاریخ مختلف ہوتی

متحدہ مجلس عمل کو انتخابات کے بعد کسی سیکولر جماعت کا حصّہ بن کر حکومت میں شمولیت کے بجائے پریشر گروپ کے طور پر کام کرنا چاہئے

ہمیں اللہ کی جناب میں توبہ کرتے ہوئے خود کو اللہ کی مدد و نصرت کا حق دار بنانے کی سعی و جہد کرنا چاہئے

چوتھی عالمی جنگ کا طبل بج چکا ہے' جس کا اصل ہدف دہشت گردی نہیں بلکہ عالم اسلام ہے

داعی و مؤسس تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے مسجد دار السلام' باغ جناح میں 4/ اکتوبر 2002ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

انتخابات کا مقصد کسی ملک میں پہلے سے موجود نظام کو چلانا ہوتا ہے' اسے بدلنا نہیں۔ دراصل الیکشن اس لئے ہوتا ہے کہ مختلف جماعتیں جو پہلے سے موجود کسی اجتماعی نظام پر تو متفق ہوتی ہیں' لیکن وہ یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ اس نظام کو ہم زیادہ بہتر انداز میں چلا کر دکھائیں گے۔ لہٰذا اس بات کا فیصلہ کہ یہ موقع کسے دیا جائے' ووٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ بہرحال میں نے انتخابات کو کبھی حرام نہیں کہا بلکہ میرا مؤقف یہ ہے کہ انتخابات سے نفاذِ اسلام میں کے ضمن میں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ گویا یہ ایک سعی لاحاصل (Exercise in futilty) ہے جیسا کہ ماضی کی تاریخ سے یہ بات ظاہر ہے۔ لیکن جن لوگوں کی مخلصانہ رائے یہ ہے کہ اس راستے سے بھی نفاذِ اسلام ممکن ہے ان کو میں نے ہمیشہ یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ متحد ہو کر ایک پلیٹ فارم سے انتخابات میں حصہ لیں تو کچھ خیر کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اگر 1970ء کے انتخابات میں دینی عناصر متحد ہو کر ایک پلیٹ فارم سے انتخابات میں حصہ لیتے تو آج ملک کی تاریخ مختلف ہوتی۔ کیونکہ اُس وقت دینی جماعتوں کے علٰیحدہ علٰیحدہ تشخص کے باعث اسلام پسند ووٹ تقسیم ہونے سے نہ صرف سیکولر قوتوں کو فائدہ ہوا بلکہ دینی جماعتوں کی ساکھ کو بھی نقصان پہنچا۔ اسی طرح میری رائے یہ بھی ہے کہ جب تک ملک میں اسلامی نظام قائم نہیں ہوتا اس وقت تک ملک کی بقا و سالمیت کے لئے انتخابی و سیاسی عمل کا جاری رہنا بہت ضروری ہے کیونکہ ہمارے ہاں سیاسی عمل میں تعطل کا نتیجہ فوجی حکومت کی صورت میں نکلتا ہے جبکہ فوجی حکومت اس ملک کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دراصل فوج کی تربیت ملک کے دفاع کے حوالے سے ہوتی ہے' اس لئے ملکی نظم و نسق چلانے سے اسے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ دوسرے چونکہ ہماری فوج کا بیشتر حصہ پنجاب سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا فوجی حکومت کی صورت میں چھوٹے صوبوں میں احساس کمتری پیدا ہوتا ہے جو یہاں کے مخصوص پس منظر میں ملکی وحدت کے لئے بڑا خطرناک ہے۔

موجودہ حالات میں متحدہ مجلس عمل کے عنوان سے دینی جماعتوں کا اتحاد ایک نیک شگون ہے۔ دعا ہے کہ یہ اتحاد انتخابات کے بعد بھی قائم رہے۔ اگرچہ ان انتخابات میں بھی وڈیروں اور جاگیرداروں کی اکثریت ہی کامیاب ہو گی لیکن اگر متحدہ مجلس عمل کو مناسب تعداد میں سیٹیں مل گئیں تو ان کو چاہئے کہ کسی سیکولر سیاسی جماعت کا ضمیمہ بن کر حکومت میں شامل ہونے کے بجائے پریشر گروپ کی حیثیت سے کام کریں۔ ایسی صورت میں یہ حضرات ملک کو سیکولرازم کی طرف جانے سے روک سکیں گے۔ دراصل بین الاقوامی شیطانی قوتوں کی کوشش ہے کہ اسلام کو کہیں بھی اُبھرنے نہ دیا جائے۔ موجودہ حکومت چونکہ ان عالمی حکومتوں کی اتحادی ہے لہٰذا اس حکومت نے اب تک 55 برسوں میں دستوری سطح پر اسلام کے حوالے سے جو کام ہوا تھا اسے ختم کرنے کے لئے ایک ریورس گیئر لگا دیا ہے' جس کا رستہ روکنا ضروری ہے۔ لہٰذا ان انتخابات میں پاکستانی عوام حکم قرآنی ﴿تعاونوا علی البر والتقوی﴾ پر عمل کرتے ہوئے متحدہ مجلس عمل کے خصوصاً ایسے اُمیدواروں کی بھرپور حمایت کریں جو نیک اور دیندار ہوں۔

اسلام کے حوالے سے اس وقت عالمی حالات انتہائی تشویشناک ہیں۔ بعض مغربی مفکرین کا کہنا ہے کہ اکیسویں صدی کی پہلی اور انسانی تاریخ کی چوتھی عالمی جنگ کا طبل بج چکا ہے کیونکہ ''کولڈ وار'' کی صورت میں تیسری عالمی جنگ گزشتہ صدی کے نصف آخر میں لڑی جا چکی۔ ان مفکرین کا کہنا ہے کہ یہ چوتھی عالمی جنگ جو بظاہر دہشت گردی کے نام پر شروع کی گئی ہے' اس کا اصل ہدف دہشت گردی نہیں بلکہ کم از کم ہدف عراق' ایران' شام' مصر' لبنان' فلسطین اور سعودی حکومتیں ہیں جبکہ وسیع تر ہدف پورا عالم اسلام ہے۔ اسی طرح ایک غیر ملکی جریدہ ''کمنٹری'' کے مطابق بش کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ قدرت نے اسے کسی بڑے کام کے لئے امریکہ کی صدارت سے نوازا ہے لہٰذا وہ حضرت عیسٰیؑ کی آمد کے لئے آرمیگڈان (الملحمة العظمٰی) یعنی ایک بڑی جنگ کے ذریعے گریٹر اسرائیل اور تھرڈ ٹیمپل کی تعمیر کی راہ ہموار کر رہا ہے۔

میں یہ بات پچھلے کئی برس سے کہہ رہا ہوں کہ امت مسلمہ بالعموم اور عالم عرب بالخصوص اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہے کیونکہ مسلم ممالک نے نوآبادیاتی نظام سے آزادی حاصل کرنے کے بعد کہیں اللہ کے دین کو نافذ نہیں کیا' بلکہ کسی نے ماسکو اور کسی نے واشنگٹن کو اپنا قبلہ بنا لیا۔ اسی طرح عرب ممالک جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا اس کو پس پشت ڈالنے کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقت بہت قریب آ گیا ہے۔ احادیث نبویہؐ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عرب ممالک بہت بڑی تباہی کی زد میں آئیں گے لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائے گا اور کل عالم پر اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔ لہٰذا ہمیں اللہ کی جناب میں توبہ کرتے ہوئے خود کو اللہ کی مدد و نصرت کا حق دار بنانے کی سعی و جہد کرنا چاہئے۔ OO

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی تالیف
ایجاد و ابداع عالم سے عالمی نظام خلافت تک
تنزل اور ارتقاء کے مراحل
ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

خیر کیوں بر آمد نہیں ہو رہا؟

ابوالحسن

10/اکتوبر کو قوم آٹھویں مرتبہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرنے کے لئے پولنگ سٹیشن کا رخ کرے گی۔ 1947ء سے 1970ء تک تیس سال تک ملک میں کوئی انتخابات نہ ہو سکے جبکہ 1970ء سے 1997ء تک ستائیس سال میں سات انتخابات منعقد ہوئے۔ بدقسمتی سے ان انتخابات سے وجود میں آنے والی کوئی اسمبلی بھی اپنی مدت پوری نہیں کر سکی۔ اگرچہ 1970ء کے انتخابات کے نتیجہ میں قائم ہونے والی قومی اسمبلی کو آئین کے مطابق وزیراعظم کی ایڈوائس پر توڑا گیا اس لحاظ سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس اسمبلی نے مدت پوری کی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ملک کے دولخت ہونے کے بعد اس اسمبلی کے قائم رہنے کا کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ جب ہم مغربی پاکستان کو What remains of Pakistan کہنے لگے تو پورے پاکستان کے لئے منتخب ہونے والے اسمبلی ممبران باقی ماندہ پاکستان کے نمائندے کس طرح کہلا سکتے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بیسویں اور اکیسویں صدی کا انتہائی جمہوری ماحول پاکستان کو راس نہیں آ رہا۔ آج دنیا بھر میں جمہوری دور کی افادیت سے اور مناسب وقفہ کے بعد انتخابات کے انعقاد کے فوائد سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ پاکستان میں بھی کٹر سیکولر دانشور سے لے کر مذہبی سکالرز تک سب جمہوریت کو ملک کے لئے ناگزیر قرار دیتے ہیں اور اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ عقلی سطح پر اور استدلال کی بنیاد پر جمہوری طرز حکومت سے بہتر کون سا طرز حکومت ہو گا۔ اللہ کرے جلد وہ وقت آئے کہ ملک میں نظام خلافت ہو تب بھی خلیفہ منجانب اللہ تو نہیں ہو گا' عوام ہی کو اپنے میں سے بہترین فرد کو منتخب کرنا ہو گا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جمہوری طرز حکومت وقت اور اجتماعی دانش کا تقاضا ہونے کے باوجود پاکستان کے لئے فی الحال کوئی خیر بر آمد نہیں کر سکا۔

آیئے مختصراً جائزہ لیتے ہیں کہ ہر انتخاب کے بعد پاکستان کس طرح نئی سے نئی مصیبت میں گرفتار ہوتا رہا۔ یہاں اس بات کا سوال نہیں کہ غلطی کس کی رہی یا کون سازش کرتا رہا بہر حال نتیجہ خیر کی صورت میں بر آمد نہیں ہو سکا۔ سب سے پہلے انتخابات سب سے بڑی مصیبت لائے اور پاکستان دولخت ہو گیا۔ کسی ملک کا ٹوٹ جانا یقیناً بہت بڑی بات ہے لیکن بات اس سے بھی آگے کی تھی۔ کہنے والوں نے کہا ہم نے نظریہ پاکستان کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے۔ سنگین تر یہ بات ہے کہ الگ ہونے والا صوبہ آبادی کے لحاظ سے بڑا حصہ تھا لیکن اس نے پاکستان کا نام بھی قبول نہیں کیا اور نام کی تختی بھی سینہ سے اتار کر نفرت سے دور پھینک دی۔ پاکستان کے ازلی دشمن بھارت نے علیحدگی میں اس کی مالی اور عسکری مدد کی اور اس نے علیحدہ ہو کر بھارت کو قریبی دوست کا درجہ دیا۔ دوسرے انتخابات 1977ء میں ہوئے۔ یہ انتخابات حکمران جماعت نے جیت لئے لیکن اس پر زبردست دھاندلی کا الزام لگا۔ سیاسی جماعتوں نے اگلے روز صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا کامیاب بائیکاٹ کیا اور دھاندلی کے خلاف تحریک کا آغاز کر دیا جس میں زبردست توڑ پھوڑ اور جلاؤ گھیراؤ ہوا۔ ملکی صنعت کا پہیہ جام ہو گیا اور تجارت بند ہو کر رہ گئی۔ بیرونی سرمایہ کار بھاگ گئے۔ اس قدر افراتفری پھیلی کہ ایران جیسا دوست ملک یہ سوچ کر بلوچستان کی سرحد پر فوج لے آیا کہ اگر باقی ماندہ پاکستان کے حصے بخرے ہوتے ہیں تو بلوچستان کا علاقہ جو معدنی وسائل سے مالا مال ہے' اس پر وہ قابض ہو جائے گا۔ بہر حال نتیجہ مارشل لاء کی صورت میں نکلا۔ اور مارشل لاء کے بعد یہ تحریک یوں بیٹھ گئی جیسے اسے چلانے کا مقصد ہی مارشل لاء لگوانا تھا۔ بہر حال ایک بار پھر انتخابات مفید نتائج بر آمد نہ کر سکے۔ تیسرے انتخابات 1985ء میں ہوئے۔ یہ انتخابات اس حوالہ سے عجوبہ تھے کہ ان میں سیاسی جماعتیں حصہ نہیں لے سکتی تھیں۔ ان انتخابات نے دور جاہلیت کی یاد تازہ کر دی۔ سیاسی جماعتوں کی عدم موجودگی سے منشور کی بجائے برادری سسٹم اور مختلف عصبیتوں کی بنیاد پر انتخاب لڑا گیا اور سندھ میں ایم کیو ایم لسانی عصبیت کی بنیاد پر ایک قوت بن کر ابھری۔ بعد ازاں ایم کیو ایم اپنی زبردست مقبولیت کے باوجود اپوزیشن کی حیثیت سے یا حکومت کا حصہ بن کر بھی سارے ملک یا سندھ یا کراچی ہی کی بہتری کے لئے کوئی حقیقی کارنامہ سرانجام نہ دے سکی۔ کسی حکومت نے بھی اس جماعت کو حکمت اور دانائی سے ڈیل نہ کیا۔ بالآخر یہ جماعت متشدد بلکہ تخریبی کارروائیوں میں ملوث ہو گئی۔ 1988ء کے انتخابات نے ایک نئی مصیبت کھڑی کر دی۔ پی پی پی نے مرکز میں حکومت بنائی اور پاکستان مسلم لیگ کی طرف سے پنجاب میں وزارت اعلیٰ کا قلمدان نواز شریف نے سنبھالا جس کے نتیجہ میں پنجاب اور مرکز کے مابین ایسی محاذ آرائی ہوئی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے دو بدترین دشمن ممالک کے سربراہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ اس صورت حال پر بہترین تبصرہ بابائے جمہوریت نوابزادہ نصر اللہ خان نے کیا کہ صرف یہ ہونا باقی رہ گیا ہے کہ وزیراعظم پاکستان بے نظیر بھٹو لاہور آنے پر گرفتار ہو جائیں یا پنجاب کے وزیراعلیٰ نواز شریف اسلام آباد میں گرفتار ہو جائیں۔ 1988ء سے لے کر 1997ء تک ہر انتخاب نے اس محاذ میں مزید اضافہ کیا اور پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ لاہور میں مرکز کی طرف سے رینجرز نے اور پنجاب کی طرف سے پولیس نے مسلح ہو کر ایک دوسرے کے خلاف پوزیشنیں سنبھال لیں اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی کچھ وقت گیا ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ بہر حال قوم اس مصیبت سے بال بال بچی اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کیسے بچ گئی۔

ان سطور کے تحریر کرنے کا اور خصوصاً ایسے موقع پر تحریر کرنے کا جبکہ انتخابات میں صرف دو دن باقی ہیں' صرف اور صرف یہ مقصد ہے کہ وہ جمہوری نظام جو دنیا بھر میں پھل پھول رہا ہے وہ ہمارے لئے کوئی خیر بر آمد کیوں نہیں کر رہا! یقیناً ہم کسی ایسی کوتاہی یا غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں کہ اچھے کام کے نتائج اچھے بر آمد نہیں ہو رہے۔ راقم کی رائے میں اصل غلطی یہ ہے کہ ہماری ہر سیاسی جماعت اور ان کے لیڈر خصوصاً بڑی سیاسی جماعتیں جمہوریت اور انتخاب کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری حکومت قائم ہو وگرنہ ہمیں اس جمہوریت سے کیا مطلب۔ دوسرے لفظوں میں اقتدار کی خواہش اتنی شدید ہے کہ وہ انہیں اندھا کر دیتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر انہیں اقتدار نہیں ملا تو سب کچھ ملیا میٹ ہو جائے۔ دوسری طرف انتخابات کے نتیجہ میں جو جماعت جیت جاتی ہے اس کے لیڈر کا تصور یہ ہوتا ہے کہ میں مقتدر اعلیٰ بن جاؤں اور اقتدار سارے کا سارا میری ذات میں مرتکز ہو جائے۔ چونکہ میں انتخابات جیتا ہوں لہٰذا مجھے کسی اپوزیشن کے مشورہ یا حمایت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کسی مشورہ کو بھی اقتدار پر چوٹ سمجھتا ہے اور کسی کی بات سننے کو تیار نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہمارے لیڈر محض زیادہ ووٹ حاصل کر لینے کو ہی جمہوریت کا نام دیتے ہیں۔ قصہ مختصر جب تک اقتدار اور مکمل اقتدار کی اندھی خواہش ختم نہیں ہوتی اور دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہیں ہوتا پاکستان میں انتخابات ماضی کی طرح ہی نتائج پیدا کرتے رہیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ الیکشن 2002ء کے نتیجہ میں بننے والی حکومت اور اپوزیشن اس حقیقت کو سمجھے تب ہی مستقبل ماضی سے مختلف ہو سکتا ہے۔ خدا کرے یہ انتخابات پاکستان کے لئے خیر بر آمد کر سکیں۔

چوتھی عالمی جنگ کا طبل بج چکا ہے

دور حاضر کے وہ مسلم زعماء جو صرف مسلمانوں کو ہی ان کی ابتر حالت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اپنے ان آباء و اجداد سے مختلف نہیں جو کفار کی فتوحات سے بے نیاز اس بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ ایک سوئی کی نوک پر کتنے فرشتے سما سکتے ہیں۔ جوں جوں اسلام کے خلاف جاری جنگ میں تیزی آ رہی ہے ہمارے یہ نام نہاد سکالر اس جنگ کو "دہشت گردی" اور دیگر عوامل کے خلاف ایک جائز جنگ قرار دے رہے ہیں۔ یہ دراصل حقیقت کو جھوٹ کے ساتھ مطابقت دینے اور امریکی وقتی ضرورتوں کو نیک و بد کے خود ساختہ سانچوں میں ڈھالنے کی ایک احمقانہ کوشش ہے۔

جائز جنگ کی تھیوری اصلاً غلط نہیں لیکن یہاں امن پسندی کے نام سے وحشیانہ جنگ کا راستہ نکالا گیا ہے۔ جائز جنگ' اسلحہ کی تباہ کاری یا طالبان کو حکومت سے ہٹانا حتیٰ کہ اسامہ کی موت بھی امریکہ کا اصل مقصد نہیں۔ بدقسمتی سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں کہ امریکہ جنگ سے متعلق اپنے فیصلوں میں خود مختار نہیں۔ بعض لوگوں کو شاید عجیب لگے مگر 11 ستمبر کے واقعات اور اس کے بعد کی جنگ کا واحد مقصد وسیع تر اسرائیل کا قیام ہے اور نتیجہ بھی یہی نکلے گا۔

اسرائیل کے بانیوں کی طرح اس کی موجودہ قیادت بھی اسرائیل کو بعد کی فتوحات کے لئے صرف ایک اڈہ تصور کرتی ہے۔ اسرائیل کا ہر لیڈر رویز مین کی طرح اسرائیل کی موجودہ سرحدوں کو کم تصور کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ داؤدؑ کی سلطنت بھی چھوٹی تھی لہٰذا سلیمانؑ کی طرح وہ اس سلطنت کو وسیع تر بنائیں گے۔ اسرائیل اس جانب پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔

صیہونیت کی تاریخ اسی خواب کے گرد گھومتی ہے۔ تمام اسرائیلی لیڈر رفتہ رفتہ یہ خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ لہٰذا ان کے کسی لیڈر نے آج تک اس بات کی نفی نہیں کی۔ 1948ء اور 1967ء کی فتوحات اس راستے کے چند مراحل تھے کہ جہاں تک ممکن ہو اسرائیل پھیلتا جائے۔

ستمبر 11 کے واقعات میں اسرائیلی ہاتھ یا بش کے حالیہ غیظ و غضب سے قطع نظر' Jane کے "فارن رپورٹ نیوز لیٹر" کے مطابق تازہ صورت حال یہ ہے کہ اسرائیلی فوجی مغربی عراق میں پہلے ہی داخل ہو چکے ہیں اور اپنی خفیہ کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ نیوز لیٹر کے مطابق خصوصی سیرٹ متکل کمانڈو دستے (elite Seyerat Matkal Commando Unit) کو حکم دیا گیا ہے کہ عراق میں داخل ہو کر ان جگہوں کی نشاندہی کریں جہاں سے سکڈ میزائل داغے جا سکتے ہیں۔

مناہم بیگن (Menachem Begin) کے 8 اگست' 1982ء کے اقراری بیان کہ "اسرائیل نے گزشتہ تین جنگوں کا آغاز کیا تھا" کو سامنے رکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ اسرائیلی کمانڈوز کی یہ حرکت عنقریب چوتھی جنگ کا آغاز نہیں کر دے گی۔

شام کے وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ امریکہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی عزائم کی تکمیل کے لئے کام کر رہا ہے۔ جوزف بیڈن (Joseph Biden) امریکی سینٹ کی خارجہ کمیٹی کے چیئرمین کے مطابق اسرائیلیوں کی مداخلت اس جنگ کو عرب اسرائیلی جنگ میں بدل دے گی۔ دوسری جانب اسرائیل نے حزب اللہ کو خبردار کیا ہے کہ وہ عراق پر امریکی حملہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش نہ کرے۔ جبکہ اسرائیل کے خیر خواہ امریکہ کو چوتھی جنگ عظیم جلد شروع کرنے کے لئے پکار رہے ہیں۔

کلنٹن دور کے سی آئی اے کے ڈائریکٹر آر جیمز وولزے (R.James Woolsey) کے مطابق

عابد اللہ جان

اکیسویں صدی کی پہلی جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں کیونکہ آئرلینڈ کے IRA اور سپین کے ETA کے دہشت گرد امریکہ کے دشمن نہیں۔ وولزے کہتے ہیں کہ جنگ چھڑ چکی ہے اور تین منسلک محاذوں پر جاری ہے' ایران کی حمایت یافتہ حزب اللہ' شام اور عراق کی بعث پارٹی اور مصر کا اسلامی جہاد۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ چوتھی "جنگِ عظیم" سعودی پیسے سے لڑی جا رہی ہے۔

واضح رہے کہ امریکہ عراق کے خلاف جنگ اور صدام کی حکومت کے خاتمہ پر بھی قانع نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صیہونی ماہنامہ کمنٹری میگزین کے نارمن پوڈرٹز (Norman Podhoretz) امریکی حکومت کو چوتھی عالمی جنگ شروع کرنے کی دہائی دے رہے' ہیں۔ ان کے مطابق روس کے ساتھ سرد جنگ تیسری جنگ عظیم تھی۔ اب کے پوڈرٹز کے ذہن میں یہ شدید ترین جنگ دراصل Militant Islam کے خلاف ہے۔

اسرائیلی لیڈروں کی ذہنیت کی عکاسی کرتے ہوئے پوڈرٹز نے خیال ظاہر کیا ہے کہ عالمی جنگ کے لئے اس وقت ایک موزوں شخص امریکی صدارت کے عہدے پر فائز ہے جس نے مختلف قوموں کو نیک یا بد قرار دے کر اپنے آپ کو اس جنگ میں بھاری کردار ادا کرنے کا اہل ثابت کر دیا ہے۔ پوڈرٹز کے مطابق چوتھی جنگ عظیم کو مذہب کی بنیاد پر استوار کرنے کی بش کو ایک خاص قسم کی "وحی" آئی ہے جس کی وجہ سے اس کا دل' دماغ اور روح منور ہو گئی اور بش نے نیک اور بد میں تمیز کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی۔

بش جانتا ہے کہ جس خدا کی راہ میں اس نے "نئی زندگی" (Born again) حاصل کر کے خود کو وقف کیا ہے اس نے بش کو ایک خاص مقصد کے حصول کے لئے امریکہ کا صدر بنایا ہے۔

پوڈرٹز کی انتہا پسندی کے باوجود ہمیں اس کی عزت کرنی چاہئے کیونکہ صیہونیوں کی عیاری اور دوغلے پن کے برعکس پوڈرٹز وہی کہتا ہے جو اس کا مطلب ہے۔ وہ نہیں کہتا کہ وہ جمہوریت پسند یا انسانی حقوق کا علمبردار ہے۔ وہ وہی کچھ کہتا ہے جو بش اور شیرون کے ذہنوں میں ہے مگر زبان پر نہیں لاتے۔ پوڈرٹز صاف کہتا ہے کہ ہم قیادت کی تبدیلی کو عراق میں فتح سمجھ کر آرام سے نہیں بیٹھ رہیں گے بلکہ پورے مشرق وسطیٰ سے بدی (Evil) کو ختم کر کے دم لیں گے یعنی امریکہ کو تمام حکومتیں بدلنا ہوں گی۔

بش کے بدی کے محور "Axis of evel" میں شامل تین حکومتوں کو ختم کرنا کافی نہیں۔ کم از کم یہ axis شام' لبنان' سعودی عرب' لیبیا' مصر اور عرفات کی حکومت تک پھیلنی چاہئے۔ یہ پوڈرٹز کے مطابق "کم از کم" ہے۔ آٹھ ملکوں میں حکومتوں کا تختہ الٹنا اگر کم از کم ہے تو ہمیں زیادہ سے زیادہ کے لئے خود کو تیار کرنا چاہئے جو کہ تمام مسلم ممالک میں کرزئی اور مشرف بٹھانے کا منصوبہ ہے۔

پوڈرٹز نے عراق پر حملے کے حامیوں کی بگین ذہنیت ہی فاش نہیں کی' وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جس کی پیشین گوئی حضور ﷺ نے 1400 سال پہلے کی تھی۔ امریکہ تمام دنیا کو اس جنگ کے دہانے پر لانے کا وہ کام کر رہا ہے جس کی پیشین گوئی کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ اس کے پیچھے کارفرما ذہنیت کے مطابق امریکہ اور اسرائیل اچھے جبکہ باقی سب بُرے (Evil) ہیں۔ مگر جنگ کے نعرے لگانے والے بھول جاتے ہیں کہ لاکھوں انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیلنے والے یہ خود Evil ہیں۔

چوتھی یا آخری جنگ عظیم پہلے ہی شروع ہو چکی ہے۔ یہ ہمارے گھروں کے چوکھٹ پار کر چکی ہے۔ یہ ہمارے گھروں کے اندر لڑی جا رہی ہے جہاں ایک "لبرل" بھائی "انتہا پسند" بھائی کے ساتھ دست و گریباں ہے۔ یہ ہماری گلیوں میں لڑی جا رہی ہے جہاں ایک سرکاری مسلمان' "دہشت گرد" مسلمان کو قتل کر رہا ہے۔

ایک سوئی کے سرے پر کتنے فرشتے ناچ سکتے ہیں؟ اس بحث میں الجھنے کی بجائے ہمیں اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ خود کو ایک بہتر "ماڈریٹ" اور "لبرل" ظاہر کرنے کے چکر میں کہیں اپنا وزن Evil کے پلڑے میں تو نہیں ڈال رہے۔ "دہشت گردی" کے خلاف جنگ میں دشمنانِ اسلام کی صف میں کھڑے ہو کر حاصل ہونے والی شہرت اور مقام نہایت عارضی ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم کم از کم زبان ہی سے بُرے کو بُرا کہیں۔

کیا یہ بش کے عقیدے کی جنگ ہے؟

BUSH THE CRUSADER IS SETTING THE STAGE FOR ARMAGEDDON

پوری دنیا کی تنقید اور چین، روس، جرمنی اور فرانس کی سخت ترین مخالفت کے باوجود یقین ہے کہ امریکہ نے عراق پر حملے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ اطلاعات ہیں کہ عراق پر حملے کا اصل مقصد تیل کی دولت پر قبضہ کرنا ہے خاص طور پر سعودی تیل لیکن کیا یہ بات غیر منطقی نہیں کہ ساری دنیا کی مخالفت کے ماحول میں امریکہ کو اس قبضے کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہوں گے اور وہ پھر بھی حملہ کرے گا؟ تیل پر قبضے کا منصوبہ ایک حقیقت ہو سکتا ہے لیکن مکمل حقیقت نہیں۔ مکمل حقیقت کے لئے موجودہ صدر بش اور ان کے والد کی طرف سے اپنی جنگ کو خیر و شر کی جنگ قرار دینے والے بیانات یاد کرنا ہوں گے۔ اس سے پہلے امریکہ کی جنگ کو خیر اور شر کی جنگ کسی نے نہیں کہا تھا۔ بائبل کے مطابق خیر و شر کی آخری جنگ ہرمجدون (آرمیگڈان) کی جنگ ہوگی جسے اسلامی عقیدہ میں ''الملحمۃ الکبریٰ'' کہا جاتا ہے۔

موجودہ صدر بش نے افغان جنگ کے آغاز پر اسے صلیبی جنگ کہا تھا۔ لوگوں نے یہ بات اسی وقت بھانپ لی تھی کہ دہشت گردی کے خلاف یہ جنگ اسلام کے خلاف صلیبی جنگ ہے جو مغرب کے بنیاد پرست عیسائیوں کے مطابق دنیا کی آخری جنگ ''آرمیگڈان'' کی طرف لے جائے گی۔ صدر بش اور ان کے حواری بنیاد پرست عیسائی ہیں۔ مغربی پریس کی مختلف رپورٹوں سے اشارہ ملتا ہے کہ عراق کی جنگ آغاز ہے اس منصوبے کا جس کے تحت مشرق وسطیٰ کا نیا نقشہ بنایا جائے گا اور وہاں چار نئی عیسائی اور تین نئی مسلمان ریاستیں بنائی جائیں گی۔ عیسائی ریاستیں جنوبی سوڈان، شمالی مصر (قبطی ریاست) اور جنوبی لبنان پر مشتمل ہوں گی۔ نئی مسلمان ریاستوں میں عراق کے شمالی علاقے پر مشتمل کرد ریاست، جنوبی عراق کی شیعہ مسلمان ریاست، سعودی عرب کے مشرقی حصے کی نئی ریاست شامل ہوگی۔ اس کے علاوہ وسط ایشیا کے تیل کے ذخائر پر کنٹرول اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کا خاتمہ بھی اس نئی صلیبی جنگ کا مقصد ہے۔ یہ سب مقاصد بنیاد پرستوں کے نزدیک ''آسمانی پیشین گوئی'' کی تکمیل کے بنیادی ہدف ہیں۔

پچھلے دنوں مشہور امریکی مصنفہ گریس ہال سیل کی کتاب Forcing God's Hand میں امریکہ کے بنیاد پرست عیسائیوں کے عقائد اور مقاصد پر ایک تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ ان عقائد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسرائیل کا تحفظ اور اس کی وسعت صرف یہودی عقیدہ نہیں بلکہ بنیاد پرست عیسائیوں کا عقیدہ بھی ہے اور یہ عقیدہ صرف اسی حد تک نہیں ہے بلکہ مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے تیسرے معبد (ہیکل) کی تعمیر بھی اس عقیدے کا لازمی حصہ ہے اور یہ بنیاد پرست سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح کی آمد ثانی کا اصل مقصد یہودی بادشاہت کا قیام ہے۔ ان کے مطابق حضرت مسیح کی آسمانی بادشاہت میں مسجد اقصیٰ ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ امریکہ میں بنیاد پرست عیسائی Dispensationalist کہلاتے ہیں۔ ایوینجلیکل چرچ کے پیروکار بھی بنیاد پرست ہیں اور امریکہ میں ان بنیاد پرستوں کی تعداد 5 سے 7 کروڑ کے درمیان ہے۔ یہ

عبداللہ طارق سہیل

بڑی شدت سے آرمیگڈان کے منتظر ہیں جس میں ان کے مطابق 3 ارب لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ ایک بنیاد پرست مبلغ جیری فال ویل ٹی وی پر تبلیغ کرتے ہیں کہ ہم سب آخری نسل کا حصہ ہیں۔ یہ معرکہ ہمارے بچوں کی زندگی میں ہوگا۔ 98ء میں ٹائم کے مطابق 91 فیصد امریکی یہ سمجھتے ہیں کہ اکیسویں صدی میں دنیا تباہ ہو جائے گی۔ اس وقت امریکہ میں 90 سے زائد ٹی وی چینل، درجنوں ریڈیو سٹیشن بنیاد پرست پادریوں کی تقریریں نشر کرتے ہیں جو دنیا کی تباہی کا عقیدہ پیش کرتے ہیں۔ ایک ہزار بائبل چرچوں میں اس تھیوری کی تبلیغ ہو رہی ہے اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس نظریے کو ماننے والوں میں حکمران طبقہ کے بااثر افراد بھی شامل ہیں۔ 83ء میں وزیر دفاع کیسپر وائن برگر نے کہا تھا کہ میرا یقین ہے کہ بک آف ریویلیشن کے مطابق دنیا ختم ہو رہی ہے۔ اس عقیدے کو ماننے والے بعض اوقات خودکشی یا دہشت گردی بھی کرتے ہیں۔ مثلاً اوکلاہاما میں فیڈرل عمارت پر بم سے حملہ کرنے والا ٹموتھی میک ویو۔ یہ لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ درخت بھی مت لگاؤ، اس کا کوئی فائدہ نہیں، نہ ہی اب مہلت رہی ہے۔ پینٹی کوسٹل اور ساؤتھ بپٹسٹ چرچ بھی اس عقیدے کو اپنا رہے ہیں۔ بنیادی طور پر اس عقیدے کو سب سے زیادہ اپنانے والے ایوینجلیکل ازم کے لوگ ہیں جو ایک چوتھائی امریکی باشندوں کا مذہب ہے۔

آرمیگڈان کی جنگ کے بارے میں ان بنیاد پرستوں کا عقیدہ ہے کہ فلسطین (اسرائیل) میں میگوڈو کے مقام پر ہوگی۔ صدر ریگن نے 83ء میں اسرائیلی رہنما سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ آرمیگڈان کی علامتیں موجود ہیں، شاید ہم ہی وہ نسل ہیں جو یہ جنگ دیکھے گی۔ 81ء میں ریگن نے عیسائی پادریوں سے ملاقات میں کہا تھا کہ سلطنت روما کی تجدید نو ہوگی اور حضرت عیسیٰ یروشلم کو غارت کرنے والوں پر حملہ کریں گے، پھر آرمیگڈان ہوگی اور یروشلم سے 200 میل تک خون بہے گا۔ سلطنت روما کی تجدید نو سے مراد یورپ کا اتحاد ہے۔ بنیاد پرست کہتے ہیں کہ آرمیگڈان کی جنگ ایٹمی ہوگی۔ اس جنگ میں دونوں طرف سے ایٹمی اسلحہ استعمال ہوگا اور پہلا وار حضرت عیسیٰ کریں گے اور ایٹم بم چلائیں گے۔ اس جنگ کے بعد حضرت عیسیٰ داؤد کی کرسی پر پہنچیں گے (یعنی یہودی ریاست کی تکمیل کریں گے)۔ یورپی اتحاد بھی آرمیگڈان کا تقاضا ہے۔ اس اتحاد کا آغاز 1948ء میں ہوا تھا، جب مغربی یورپی یونین بنی۔ 1949ء میں یہ اتحاد جنگی شکل اختیار کر گیا یعنی نیٹو بن گیا۔ اب یورپی یونین بہت وسیع ہو گئی ہے۔ بنیاد پرستوں کے ان گمراہ کن عقائد کا آغاز اسکوفیلڈ کی بائبل سے ہوا جس کے بعد بنیاد پرست مسیحی درحقیقت یہودیوں کا ضمیمہ بن کر رہ گئے۔ اسکوفیلڈ بائبل نے یہ عقیدہ دیا کہ اسرائیل کا قیام لازمی ہے اور اگر عیسائی چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ جلد آجائیں تو انہیں کچھ اقدامات کرنے ہوں گے یعنی حضرت عیسیٰ کی آمد مقدر نہیں بلکہ عیسائیوں کے کچھ اعمال سے مشروط ہے۔ اسکوفیلڈ نے

عالم اسلام کے خلاف بش کی جنگ محض تیل کی نہیں ان کے عقیدے کی جنگ بھی ہے

بش بنیاد پرست عیسائی ہے جن کے عقائد کے تحت اسرائیل کا قیام اور تحفظ خدا کا حکم ہے

بنیاد پرستوں کے مطابق خدا کی رحمت صرف عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے ہے

بنیاد پرست عیسائیوں کے مطابق مسجد اقصیٰ کو گرا کر ہیکل بنانا آسمانی حکم ہے

یورپی اتحاد بھی بائبل کی پیشین گوئی کے مطابق قائم ہو رہا ہے

ان اقدامات میں بڑی خوبصورتی سے یہودیوں کی حمایت کو شامل کیا ہے۔ یہ بائبل سب سے پہلے 1909ء میں چھپی۔ اس میں کہا گیا کہ آرمیگڈان کی جنگ جیتنے کے بعد حضرت عیسیٰ تخت داؤدی پر پہنچیں گے۔ اس بائبل کے عقیدہ رکھنے والے کے مطابق خدا کے پاس عیسائیوں کے لئے ایک جنتی منصوبہ ہے اور یہودیوں کے لئے ایک ارضی منصوبہ جبکہ خدا کے پاس مسلمانوں کے لئے کوئی منصوبہ نہیں۔ اسکوفیلڈ کے ماننے والے Dispensationalist کہلاتے ہیں۔ ان کی بائبل اصل بائبل کی اس تعلیم کی نفی کرتی ہے کہ خدا کی رحمت سب کے لئے ہے۔ اسکوفیلڈ کے مطابق خدا کی رحمت صرف یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے ہے۔ اس بائبل نے مسیحیت کو یہودیوں کا یرغمال بنا دیا۔ اس کے مطابق مرکزیت حضرت عیسیٰ کو حاصل نہیں بلکہ یہودیوں اور اسرائیل کو حاصل ہے اور یہ کہ خدا کی اولین ترجیح عیسائیت نہیں بلکہ یہودی ریاست ہے۔ یہاں تک کہ خدا حضرت عیسیٰ کو واپسی کی اجازت اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک یہودی اپنے زمینی فرائض ادا نہیں کر لیتے۔ یہ بات بائبل میں کہیں نہیں ہے مگر اسکوفیلڈ میں ہے کہ یہودی اور عیسائی ہی خدا کے منتخب بندے ہیں۔ اسکوفیلڈ کی تعلیم ہے کہ حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی یہودی بادشاہت کے لئے ہوگی اور وہ قدیم عہد نامہ کی عبادت کو فروغ دیں گے حالانکہ بائبل کے مطابق وہ دائمی بادشاہ ہیں۔ اسکوفیلڈ کے مطابق یہ عیسیٰ یروشلم کی تیسری عبادت گاہ میں پہنچیں گے (جو اس وقت موجود نہیں ہے' اس کی جگہ پر مسجد اقصیٰ ہے)۔ بنیاد پرست پادری عیسائیوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اس ملک یعنی یہودی مقاصد کو مان لیں تو انہیں برکتیں ملیں گی۔ اس فرقہ کے 80 ہزار پادری ہیں۔ ان کے پاس 100 ٹی وی چینل ہیں۔ ان کے پاس بڑی بڑی تعلیم گاہیں بھی ہیں۔ یہ بائبل سائرس اسکوفیلڈ نے لکھی تھی جو 1843ء میں پیدا ہوا اور 1921ء میں مر گیا۔ 1879ء میں اسے جعل سازی کے تحت سینٹ لوئی میں قید کی سزا ہوئی۔ اس سزا کے بعد وہ ''مذہبی'' بن گیا۔ جب ماضی میں عیسائیوں نے کبھی یہودی کارناموں سے رومانوی محبت نہیں کی۔ یہ اسکوفیلڈ بائبل کا ''اعجاز'' ہے کہ اب ایسا ہو رہا ہے۔ جمی کارٹر نے کہا اسرائیل بائبل کی تکمیل اور حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ کی آمد کے لئے ضروری ہے کہ قبۃ الصخریٰ اور مسجد اقصیٰ گرا دی جائے۔ بنیاد پرست کہتے ہیں کہ یہ حضرت موسیٰ کے فرمان کے مطابق ہے اور یہودیوں کو عیسائیوں سے مل کر مسجد اقصیٰ کو گرا کر ہیکل سلیمانی بنانا چاہئے۔ مقدس جنگ کے لئے اس مسجد کو گرانا ضروری ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان مسجد شہید ہونے پر بھڑک اٹھیں گے۔ پھر جنگ ہوگی' پھر ہیکل بنے گا۔ اس مقصد کے لئے ایک امریکی عیسائی عورت ٹیری روزن ہو دانے یروشلم ٹمپل فاؤنڈیشن بنائی ہوئی ہے جس کا مقصد ہیکل کی تعمیر ہے۔ وہ اس مقصد کے لئے تقریریں بھی کرتی ہے۔ اسرائیل میں ہیکل کی تعمیر کے لئے سرگرم یہودی فاؤنڈیشنوں کو سب سے زیادہ امریکہ سے آتی ہے۔ کچھ برس قبل چھپنے والی کتاب Ecclesiaatical History میں لکھا گیا ہے کہ صحائف کی پیش گوئی پوری ہوئی اور اسرائیل کا اقتدار اور اس کی قیادت عیسائی مسیحا کے ہاتھ آگئی ہے۔ امریکی یہودی رہنما ایلیک رسنک کا کہنا ہے کہ بنیاد پرست عیسائیوں اور یہودیوں کا اتحاد ہونا چاہئے۔ امریکی ریاست کولوریڈو کے شہر ڈینور کا مسیحی بنیاد پرست رہنما ڈگلس کریگر مسجد اقصیٰ کو گرا کر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لئے ابھی سے چندہ اکٹھا کر رہا ہے۔ ڈگلس کا کہنا ہے کہ خود خدا بھی طاقتور اور جنگجو اسرائیل کا حامی ہے۔ یہ انکشاف بھی اہم ہے کہ 82ء میں جب موجودہ اسرائیلی وزیر اعظم جنرل شیرون نے لبنان پر حملہ کر کے 2 لاکھ مسلمان شہید کئے تو امریکہ کا بنیاد پرست پادری پیٹ رابرٹسن اسرائیلی جیپ میں سوار ہو کر اس حملے میں شریک تھا۔ امریکی شہری یہودیوں نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔ امریکی خاتون کے مطابق امریکی یہودی اسرائیلی فوج میں رضا کارانہ شامل ہو سکتے ہیں۔ بنیاد پرست پادری فال ویل کا کہنا ہے کہ ہر عیسائی کو چاہئے کہ اسرائیل کی حمایت کرے۔ اگر ہم اسرائیل کو تحفظ نہ دے سکے تو ہم خدا کے آگے اپنی اہمیت کھو دیں گے۔ فال ویل نے 67ء میں اسرائیل جا کر اعلان کیا کہ خدا امریکہ پر مہربان ہے' محض اس لئے کہ امریکہ یہودیوں پر مہربان ہے' ان عقائد اور ''منصوبوں'' سے بش کی حالیہ ''کروسیڈ'' کے مقاصد سمجھ آ سکتے ہیں اور اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ جنگ محض تیل کی نہیں' بش کے مذہبی عقائد کی جنگ ہے جس کی زد میں عالم عرب' پاکستان اور وسط ایشیا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت' کراچی' 12 ستمبر 2002ء)

خلفائے راشدین

محمد یونس جنجوعہ

حضرت عثمان غنیؓ

مختصر حالات اور فضائل و مناقب (آخری قسط)

قرآن پاک کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنے کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کی گرانقدر خدمات ہیں۔ حذیفہؓ بن یمان جہاد کے سلسلے میں عرب اور عجم کے دور دراز کے علاقوں میں گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے لہجے میں قراءت کرتے ہیں جو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے۔ انہوں نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر تشویش کا اظہار کیا اور حضرت عثمانؓ کو اس سلسلہ میں مناسب کارروائی پر آمادہ کیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مرتب و مدون کیا ہوا نسخہ ام المومنین حضرت حفصہؓ سے حاصل کیا اور اس کی نقلیں کرا کے تمام علاقوں میں بھجوا دیں اور ان تمام مختلف مصاحف کو جن کو لوگوں نے بطور خود مختلف انداز تحریر میں لکھا ہوا تھا معدوم کر دیا۔ امتِ مسلمہ پر حضرت عثمانؓ کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔

حضرت عثمانؓ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ وہ کاتب وحی تھے۔ آپؓ گفتگو مختصر کرتے مگر وہ انتہائی فصیح و بلیغ اور جامع ہوتی۔ آپؓ حافظ قرآن تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت آپؓ کا دل پسند مشغلہ تھا۔ تلاوت میں آپ کی محویت قابلِ دید ہوتی تھی۔ جب آپؓ نے جام شہادت نوش کیا تو اس وقت بھی آپ سورۃ البقرہ تلاوت کر رہے تھے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں آپؓ کو پیش آمدہ مسائل کے حل میں خاصا ادراک تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں بھی مختلف مسائل کے ضمن میں آپؓ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔

آپؓ نے خوشحالی کی زندگی گزاری تھی اور ناز و نعم میں پلے تھے۔ اچھا کھانا اور اچھا لباس آپ کا معمول تھا۔ مگر نمود و نمائش اور عیش و عشرت کو پسند نہ کیا۔ گھر میں بیسیوں لونڈی اور غلام موجود تھے مگر اکثر اپنے کام خود کرتے۔ تواضع اور انکساری آپ کی نمایاں صفت تھی۔ آپؓ صاحبِ مال و منال تھے اور خلافت میں آپ نے اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ایک پائی بھی بیت المال سے نہ وصول کی' بلکہ اپنی دولت کو بڑی فراخ دلی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپؓ کی زوجیت میں رہیں۔ اُن کی وفات کے بعد آپ نے اور نکاح بھی کئے۔ اولاد بھی ہوئی جس میں حضرت ابانؒ تاریخ اسلام میں خاصے مشہور ہوئے۔

حالتِ احرام میں بھی چہرہ ڈھانپنا ضروری ہے!

ہمارے ہاں یہ تصور عام ہے کہ حج کے دوران حالتِ احرام میں عورت اپنا چہرہ نہیں ڈھانپ سکتی۔ حج کے سفر کی تیاری کے سلسلے میں ملنے والی اکثر کتابوں میں بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ حالتِ احرام میں عورت کا چہرے پر کپڑا لگنا حرام ہے اور اسے چہرہ کھلا رکھنا چاہئے۔ لیکن یہ بات اس وقت غلط محسوس ہوئی جب محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تقاریر میں یہ سنا کہ احرام کی حالت میں بھی عورت کو پردہ کرنا چاہئے اور اس کی دلیل حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ وہ حدیث ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ ''حج کے سفر کے دوران حالتِ احرام میں ہمارا طریقہ یہ تھا کہ جب قافلے ہمارے قریب آتے تو ہم چہرے پر کپڑا ڈال لیتیں اور جب وہ دور چلے جاتے تو ہم کپڑا اٹھا لیتیں۔'' اس لئے میں نے حج پر جاتے وقت دل میں تو ٹھانی ہوئی تھی کہ پردہ کرنا ہے لیکن اس پر عمل کے سلسلے میں کیا تدبیر ہو؟ اس نے مجھے کافی مضطرب کر رکھا تھا۔ میں بہت سی کتابوں کا مطالعہ اس مقصد کے لئے کر چکی تھی کہ شاید کسی میں ہی کوئی عملی صورت سامنے آ جائے مگر بے سود۔ یہاں تو ہر جگہ یہی لکھا ہوا ملا کہ چہرے کا پردہ کرنا ہی نہیں' حالانکہ آج کل حج کے موقع پر جتنا رش ہوتا ہے اور ایک عورت جس طرح ہر وقت نامحرم مردوں کی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے اس میں یہ بہت ضروری ہے۔

اسی تگ و دو میں مجھے گھر میں پڑی ہوئی کتابوں میں سے ہی ایک کتاب مل گئی جو دو تین سال پہلے عمرہ کے لئے جاتے وقت میری ایک دوست نے دی تھی۔ اس کتاب کو پڑھتے ہی میرا اضطراب' اطمینان میں بدل گیا اور مجھے پتہ چلا کہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانا کچھ مشکل نہیں۔ بس تھوڑی سی ہمت اور جذبۂ ایمانی کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب سعودی عرب کی وزارتِ حج کی طرف سے شائع کردہ ہے اور جو حج اور عمرے کو ادا کرنے کے سلسلے میں رہنمائی پر مشتمل ہے۔ اس میں سعودی عرب کے ایک بڑے عالم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے کچھ فتوے اور سوالوں کے جواب بھی شامل ہیں۔ انہوں نے عورتوں کے احرام کے سلسلے میں لکھا ہے کہ حج کے دوران بھی چہرے کا پردہ کرنا فرض ہے۔ اگرچہ سلا ہوا نقاب پہننے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے لیکن ایک عورت اپنی اوڑھنی یا چادر کا ایک حصہ چہرے پر ڈال سکتی ہے۔ اور خاص بات جو انہوں نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ چہرے پر ڈالا جانے والا کپڑا اگر چہرے کے ساتھ بھی لگتا ہے تو کچھ حرج نہیں۔ مزید یہ بھی لکھا ہے کہ آج کل جو عورتیں چہرے کا پردہ کرنے کے لئے سر کے اوپر کوئی ٹوپی یا ہیٹ نما چیز پہنتی ہیں کہ کپڑا چہرے کے ساتھ نہ لگے' تو اس کی سنت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس لئے ایسی مشکل میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اگر ایسی کوئی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ ضرور اپنی اُمت کو بتاتے۔

مجھے جس چیز نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ دوسرے لوگوں کا حوصلہ شکن رویہ ہے۔ ہر عورت نے اپنی دانست میں مجھے مناسکِ حج سے کورا سمجھا اور یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ حالتِ احرام میں چہرے کا پردہ نہیں کر سکتے۔ میں تو حیران ہوں کہ یہ چیز ہمارے معاشرے میں اس قدر راسخ کر دی گئی ہے کہ بالکل ان پڑھ خواتین نے بھی مجھے ٹوکا کہ تم غلط کر رہی ہو۔ اور جواب میں میری طرف سے کوئی بات سننے کو تیار نہ ہوئیں۔ جس کو بھی میں نے سمجھانے کی کوشش کی' اس نے یہی جواب دیا کہ تم نے بات ماننی ہے

اُمِّ صائم

تو مانو' ہم نے تو تمہیں صحیح بات بتا دی ہے۔ صرف ایک عورت ہی مجھے ایسی ملی جس نے بات کو سمجھا اور وہ بہت افسردہ ہوئی کہ جن مردوں کے سامنے میں نے ساری عمر چہرہ نہیں کھولا' اب میں ان کے ساتھ بغیر پردے کے رہ اور کھا پی رہی ہوں کیونکہ مولویوں نے ہمیں یہی بتایا تھا کہ حج کے دوران پردہ نہیں ہے۔

اگرچہ مجھے طوالت کا خوف ہے مگر ایک آدھ واقعات کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گی کہ جن کی وجہ سے میرا حوصلہ بہت پست ہوا۔ بعض مواقع پر مجھے ایسا لگا کہ شاید میں کوئی مجرم ہوں۔ لاہور ایئرپورٹ کے حج ٹرمینل پر جب لوگ احرام وغیرہ باندھنے لگے تو احرام باندھنے کا طریقہ بتانے کے لئے اناؤنسمنٹ شروع کر دی گئی اور اس میں بار بار اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ عورت کے لئے چہرے کو کھلا رکھنا ضروری ہے۔ جب میں نے احرام باندھا تو سب کی نظریں مجھ پر تھیں۔ جس نے مجھے بتانے کی کوشش کی' اس کو تو میں نے جواب دیا کہ بھئی ایسی کوئی انہونی بات نہیں' حج کے دوران بھی پردہ کر سکتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد ایک نوجوان اور فیشن ایبل سی لڑکی میرے پاس آئی (بعد میں پتہ چلا کہ وہ ایئرپورٹ پر ملازم تھی)۔ اس نے کہا کہ آپ غلط کر رہی ہیں' احرام کی حالت میں چہرہ نہیں ڈھانپ سکتے۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے سننے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بتایا کہ میں نے پوری تحقیق کے بعد پردہ اختیار کیا ہے' اور سعودی عرب کے ایک بہت بڑے عالم نے فتویٰ دیا ہے کہ حالتِ احرام میں بھی عورت کو چہرے کا پردہ کرنا چاہئے۔ تو اس نے جواب دیا کہ آپ سعودیہ کے عالموں کے پیچھے کیوں چلتی ہیں' پاکستان کے علماء کی باتوں پر عمل کریں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور چلی گئی۔ میں کافی پریشان ہوئی کیونکہ ذہنی طور پر میں اس چیز کے لئے تیار نہ تھی۔ لیکن اب مجھے یاد آیا کہ میرا تو شاید ہر قدم پر امتحان ہو گا اور شیطان میرے دل میں پریشانی کا اثر کچھ زیادہ ہی ڈال رہا ہے اور ساتھ ہی مجھے وہ حدیث بھی یاد آ گئی تو میرا دل مطمئن ہو گیا ''اسلام جب شروع ہوا تو وہ اجنبی تھا اور عنقریب پھر وہ اجنبی ہو جائے گا' پس خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جو اسلام پر عمل کرنے کی وجہ سے معاشرے میں اجنبی ہو جائیں''۔

اس کے بعد میں نے جلدی سے چھوٹا سا بیان لکھ کر اناؤنسمنٹ کرنے والے شخص کو بھجوا دیا۔ میں نے لکھا کہ یا تو آپ یہ اناؤنسمنٹ کرنا بند کر دیں کہ عورت کے لئے حالتِ احرام میں پردہ کرنا حرام ہے یا پھر شیخ عبداللہ بن باز کا یہ فتویٰ بھی لوگوں تک پہنچا دیں تا کہ لوگ صحیح بات سے باخبر ہو سکیں۔ انہوں نے یہ بات تو لوگوں تک پہنچانے کی زحمت نہ کی مگر اللہ کا شکر ہے کہ پہلے والی اناؤنسمنٹ بند کر دی۔

بعد میں بھی بہت سی خواتین نے مجھے اس کام سے روکا' خاص طور پر منیٰ میں قیام کے دوران حالانکہ میں نے بہت سی عرب عورتوں کو دیکھا ہے کہ جو حج اور عمرہ میں پردہ کرتی ہیں۔ اور پھر سعودیہ پہنچتے ہی وہاں کی وزارتِ حج کی طرف سے ہر حاجی کو دو تین کتابیں دی گئیں جن میں حج اور عمرہ کے سلسلے میں سارے احکام اور مسائل درج تھے اور عورتوں کے مسائل میں اس بات کا خاص طور پر ذکر موجود تھا۔ لیکن شاید کسی نے ان کتابوں کو پڑھنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی۔

ایک اور بات جس نے بہت دُکھی کیا وہ یہ تھی کہ ہماری پاکستانی بہنوں سے میں بعض نے تو پردہ تو کیا' ستر کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔ ایک برائے نام سا کوٹ جو یہاں سے جاتے ہوئے پہن کر گئی تھیں وہاں جا کر وہ بھی اتار دیا اور باریک کپڑوں (یعنی لون وغیرہ) میں ہی وہ مسجد احرام میں نمازوں کے لئے جاتی رہیں۔ حج جیسے مقدس فرض کے لئے جانا اور پھر اپنے ستر کی بھی حفاظت نہ کرنا' کیسی بے خبری اور جہالت ہے۔ حج میں بھی اب شاید سفرِ حج ہی باقی رہ گیا ہے' روح ختم ہو چکی ہے۔

نے پردہ نہ تعلیم' نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

قومی الیکشن 2002ء

ابو عدنان

جس فوجی قیادت نے الیکشن ہی کے نتیجے میں منتخب اور قائم ہونے والی سابقہ اسمبلی اور حکومت کو قبل از وقت برخواست کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی' اب اس نے آئین میں بہت سی ترمیمات اور الیکشن سے متعلق بہت سے قواعد واقدامات پر مشتمل آرڈیننس جاری کر دیئے ہیں اور غیر فوجی حکومت کے قیام کی غرض سے قومی اور صوبائی اسمبلیوں نیز سینٹ کے ممبران کے انتخاب کے لئے طریق کار اور نظام الاوقات کا بھی اعلان کیا ہے اور یوں 10 اکتوبر کو پاکستانی قوم ایک دفعہ پھر مغربی سیاست کے عکاس الیکشن کے اکھاڑے میں اترے گی۔ اس مقصد کے لئے گرما گرمی شروع ہوگئی ہے' لوگ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں اور ہر امیدوار اپنے مخالف کو زیر کرنے کے لئے ہر حربہ آزمانے کی کوشش کر رہا ہے جبکہ دوسرے لوگ اپنے اپنے ہم خیالوں کے پشت پناہ ہیں۔

ملت اسلامیہ کا ایک بڑا طبقہ جن کے دلوں کی دھڑکن میں اس وطن کی محبت' اس کی حفاظت وترقی کی آرزو ہر طرف سے سیاسی' عسکری' معاشی اور ثقافتی یلغار سے اس کی بچاؤ کی فکر شامل ہے اور ملک وملت کے خیر خواہ یہ لوگ ایک دفعہ پھر گومگو کی حالت میں ہیں اور اپنے دلوں پر ہاتھ رکھے' خوف' اضطراب اور اندیشوں کے عالم میں اس دن اور بعد کے نتائج کے تصور سے سہمے ہوئے ہیں۔

یہ ملک اپنے قیام سے لے کر اب تک فوجی مراعات یافتہ اقتدار پرستوں کی رسہ کشی سے نجات نہیں پا سکا' ہر دفعہ الیکشن کمیشن کی نگرانی میں تمام سرکاری انتظامات کے تحت انتخابات ہوتے ہیں' اسمبلیاں وجود میں آتی ہیں' حکومتیں بنتی ہیں' پھر ایوان حکومت پر فوج کا قبضہ ہو جاتا ہے' اسمبلی اور حکومت برخواست کی جاتی ہے اور کچھ عرصے بعد پھر یہی فوجی حکومت اپنے زیر انتظام الیکشن کرانے کا انتظام کر کے حکومت اکثریت حاصل کرنے والی سیاسی پارٹی کو منتقل کر دیتی ہے' لیکن اس سیاسی عمل کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومت بھی بوجوہ نہیں چل پاتی اور ایک دفعہ پھر فوجی اقتدار قائم ہو جاتا ہے' پاکستانی قوم پچھلے پچاس سال سے یہی تماشا دیکھ رہی ہے۔

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہئے

ہر دفعہ اقتدار پر فائز لوگ پچھلے لوگوں کی خامیاں گنوا گنوا کر اپنی آمد کا جواز پیش کرتے ہیں جبکہ برخواست ہونے والا طبقہ اس طرز عمل کو غاصبانہ قبضہ قرار دیتا ہے اور اس جبر کے خلاف احتجاج کرتا ہے' بسا اوقات معاملہ کورٹ تک پہنچ جاتا ہے اور کورٹ مختلف کلیات وقواعد کا حوالہ دے کر لیکن کچھ تحفظات کے ساتھ' نئی حکومت کو سند جواز فراہم کر دیتی ہے لیکن بسا اوقات اس طرح کے فیصلوں سے اعلیٰ عدالتیں تنقید کا نشانہ بنتی ہیں اور باشندگان ملک کی بڑی تعداد ان فیصلوں کو مثالی انصاف کی بجائے سیاسی مصلحت اور سرکاری خواہشات پر مبنی قرار دیتی ہے اور ملکی سطح پر ان عدالتوں کا وقار افسوس ناک حد تک مجروح ہو جاتا ہے' ہر دفعہ الیکشن کے اس کھیل سے پورا ملک ہل جاتا ہے' عوام میں منافرتیں جنم لیتی ہیں' الیکشن کی مہم جوئی اور انتظامات پر ریاست وعوام کا اربوں روپیہ خرچ ہو جاتا ہے لیکن مقام افسوس ہے کہ ایک غریب اور مقروض ملک کا اس قدر دھن دولت اور توانائی خرچ کئے جانے کے باوجود اس میں ابھی تک کسی اسمبلی کو آئینی مدت کی تکمیل کا موقع نہیں مل سکا' قائم ہونے والی حکومت ایک تو اپنی کوتاہیوں' غلط پالیسی' خود غرضانہ اقدامات' دولت سمیٹنے کے خوفناک ہوس' ملک کے غریب عوام کی حق تلفی اور غیر دانش مندانہ فیصلوں ہی کی وجہ سے عوام کا اعتماد کھو دیتی ہے اور کچھ باہر کی نگاہیں بھی تاک میں ہوتی ہیں' غرض یہ کہ پچھلی پانچ دہائیوں سے یہ ملک اسی طرح کے منافقانہ طرز عمل' معرکہ آرائی اور رسہ کشی کا المناک اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔

ماضی کی طرح اکتوبر 2002ء کے انتخابات بھی بڑے ناسازگار حالات میں ہو رہے ہیں' عالمی سطح پر امت مسلمہ کے حوصلوں کو صبر آزما حالات اور سخت آزمائش کا سامنا ہے' اسرائیل کے سفاکانہ اقدامات سے فلسطین کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹی ہوئی ہے' انسانی حقوق کی دہائی دینے والی تنظیمیں امریکہ اور یورپ کی طاقتیں اس درندگی پر نہ صرف یہ کہ خاموش ہیں بلکہ اپنے طرز عمل سے اس بربریت کو مزید شہہ دے رہی ہیں' کشمیر میں بھی یہی صورتحال ہے' افغانستان کو روندنے کے بعد اب عراق کو بھی ایک بار پھر امریکی جارحیت کا سامنا ہے اور امریکی صدر بش کے سامنے اس وقت بڑا ہدف یہی ہے کہ عراق پر بھرپور حملہ کر کے مسلمانوں کے اس ملک کی عسکری صلاحیت کو فنا کر دیا جائے اور یہاں تیل کی دولت پر امریکن کمپنیوں کو قبضہ دلا دیا جائے جبکہ دیگر اسلامی ممالک پر بھی امریکہ کا شدید دباؤ ہے۔

خود پاکستان اسی جبر کی وجہ سے اپنی قومی اور عسکری پالیسی سے دستبردار ہو چکا ہے' پچھلے ایک سال سے امریکی افواج اور سراغ رساں اداروں کو شہروں سے لے کر حساس مقامات تک رسائی حاصل ہے اور پاکستانی شہری اپنی قومی خود مختاری اور آزادی کے بارے میں اضطراب میں ہیں جبکہ سرحدوں پر بھارت کی فوجیں پوری تیاری کی حالت میں ہیں اور ذرا سی چنگاری ہولناک جنگ اور بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ دینی مدارس' اسلامی اقدار اور اس ملک کے اسلامی تشخص کے خلاف موجودہ فوجی حکومت کی روش سے بھی فضا میں دھواں پھیلا ہوا ہے اور ملک کے طول وعرض میں گھٹن کی فضا ہے۔

ان حالات' خطرات اور اندیشوں کے پریشان کن ماحول میں یہ انتخابات منعقد ہو رہے ہیں اور حالات کی پیش بینی کرنے والے بہت سے لوگ ان انتخابات کے منصفانہ ہونے سے متعلق بے اطمینانی کا بھی اظہار کر رہے ہیں۔

تاہم اس صورت حال میں جو بات قابل تحسین اور امید افزا ہے وہ مختلف مکاتب فکر کا مشترکہ ملکی وملی مقاصد کے حصول کے لئے ایک ہی پلیٹ فارم پر یکجا ہونا ہے۔ متحدہ مجلس عمل کی تشکیل موجودہ حالات میں ہم وطنوں کے لئے بہت بڑی نعمت ہے کہ جو اسلامی تنظیمیں انفرادی طور پر سرگرم عمل رہتی تھیں اب ان سب نے آپس کے اختلافات نظر انداز کر کے اور ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنی کوششوں کو یکجا کر لیا ہے۔

متحدہ مجلس عمل اس ملک میں اجنبی مداخلت کا راستہ روکنے' اس ملک کی آزادی کو یقینی بنانے' اس ملک کو اقتصادی' سیاسی اور عسکری دباؤ سے نکالنے اور یہاں بے دینی کا ازالہ کر کے' اسلامی تشخص کو پروان چڑھانے کا عزم لے کر میدان میں آئی ہے' اگر پس پردہ خیانت کا راستہ روکا جا سکا تو ان شاء اللہ امید ہے کہ اگلی اسمبلی میں ایسے افراد کی معقول تعداد منتخب ہو جائے گی جو اسلامی غیرت وحمیت سے سرشار ہوں گے اور اس وطن کو جو لادینیت کے راستے پر ڈالا جا رہا ہے' امید ہے کہ صحیح پٹری پر چڑھانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ملکی اور عالمی حالات کے تناظر میں اس وقت یہاں کے باشندوں کی عقل ودانش اور ان کی امانت ودیانت کے امتحان کا بڑا مرحلہ درپیش ہے اس کی شدید ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اس صورت حال کا احساس کرے اور اپنی ایمانی غیرت وحمیت کے جذبے سے وطن عزیز کے چپے چپے میں اپنے تن من دھن سے اس ملک اور اس کے اسلامی تشخص کی حفاظت کے لئے کسی بھی امکانی کوشش سے دریغ نہ کرے۔

مولائے کریم اہل حق کی نصرت فرمائے اور بدخواہوں کے شر سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین!

(بشکریہ روزنامہ اسلام' کراچی' 3 اکتوبر 2002ء)

بظاہر تو میرا کمبل ہی تھا

رعنا ہاشم خان

اس وقت نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں پاکستانی آباد ہیں، الیکشن کے حوالے سے ایک بے چینی پائی جا رہی ہے۔ درحقیقت جیسا فکری مزاج کسی قوم کا ہوتا ہے ویسا ہی اس کا سیاسی مزاج بھی بن جاتا ہے اور پھر ویسی ہی قیادت بھی اس قوم کو میسر آتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ "جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی حکام تم پر مسلط کئے جائیں گے۔" وطنِ عزیز پر خطرات کے جو بادل امڈ کر آ رہے ہیں ان سے کوئی اہلِ نظر بے خبر نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ ملک چل رہا ہے اور قوم جی رہی ہے، نوشتۂ دیوار دیکھ کر آنکھیں بند کرنا ہے۔ ایک چینی کہاوت ہے کہ "ہر قسم کے حالات میں پاؤں گرم اور ذہن کو ٹھنڈا رکھا جائے" یعنی وقت کو برباد نہ کیا جائے اور محنت کا عادی بنا جائے۔ آج پاکستانی عوام کی اکثریت کو زندگی گزار رہی ہے، جس کا سب سے بڑا سبب بے رحمی سے وقت کا زیاں ہے۔ چونکہ ہمارے نزدیک وقت کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے لہٰذا ہماری محفلوں میں گھنٹوں الیکشن، سلیکشن اور ڈائریکشن جیسے موضوعات زیرِ بحث رہتے ہیں اور یوں اختلافی امور کو طے کرنے کے لئے ہم صرف بحث کرتے ہیں، کبھی قرآن سے رجوع نہیں کرتے۔ ہمارے سیاسی لیڈر کرسی کا طواف کرتے رہتے ہیں اور قوم چونکہ امریکی اور بھارتی فلموں، موسیقی اور رقص پر سر دھننے کی عادی ہو چکی ہے لہٰذا خواہ کسی پارٹی کا جلسہ ہو اور کسی بھی لیڈر کا بیان ہو، رقص و سرود کی دلدادہ پاکستانی قوم تک گا گا کر پہنچایا جا رہا ہے۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ کسی ملک اور اس کی قوم میں وہی رشتہ ہوتا ہے جو دماغ اور جسم میں ہے۔ جس طرح دماغ کے اچھے اور برے خیالات جسم کی اچھی اور بری حرکات و سکنات کا باعث بنتے ہیں اسی طرح قوم کا مزاج بھی ملک کو یا تو عظیم تر بناتا ہے یا پھر دولخت کر ڈالتا ہے۔

ہمارا ملک تو ماشاءاللہ 55 سال قبل بن گیا تھا لیکن یہ ابھی تک غریب کی جھونپڑی کی مانند اللہ تعالیٰ کے سہارے اور چند مخلص مذہبی و دینی جماعتوں کے سرکنڈوں پر کھڑا جھول رہا ہے۔ قائدِ اعظم نے 1944ء میں بیورلے نکولس کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ "پاکستان اسی دن قائم ہو گیا تھا جب پہلا ہندوستانی مسلمان ہوا"۔ یعنی اسلام اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں۔ سیکولرازم پاکستان کی ضد ہے اور اگر سیکولر ہی رہنا تھا تو پھر پاکستان بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی! پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے اور اس کے آئین کی پہلی شق نہ صرف اللہ کی حاکمیت کا اقرار کرتی ہے بلکہ حکومت، عوام و حکام سب کو اس بات کا پابند کرتی ہے کہ وہ اپنا سارا کام کاج اور کاروبار ان حدود کے اندر رہ کر کریں جو اللہ نے مقرر کی ہیں۔ مجھے اپنے ان تمام پاکستانی بہن بھائیوں سے جو مغربیت کا شکار ہیں، دلی ہمدردی ہے اور میری دعا ہے کہ اللہ ان کو مغربی دباؤ کے خول سے باہر آنے کی توفیق دے! یہ پاکستانی عام انتخابات کے موقع پر 43 غیر ملکی مبصرین کی آمد کو پوری دنیا میں پاکستان کی نیک نامی تصور کرنے کے بجائے ذرا ماضی پر نگاہ ڈالیں جب نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ جیسے اخبارات اور برطانوی میڈیا نے ریفرنڈم کو دھاندلی اور فراڈ کا مرقع قرار دے کر پاکستان کا نام خوب اچھالا تھا۔ ہمارا مغرب زدہ

(باقی صفحہ 14 پر)

دین و دانش

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

کیا نمائشِ فقر دینی تقاضا ہے؟

صحابہ کرامؓ اور نبی کریم ﷺ نے کبھی اپنی زندگی میں مصنوعی درویشی پیدا کرنے کی کوشش نہیں فرمائی اور نہ محض اس غرض سے اپنے لباس، مکان اور خوراک کا معیار کمتر رکھا کہ دیکھنے والے ان کی فقیرانہ شان دیکھ کر داد دیں۔ وہ سب بالکل ایک فطری، سادہ اور معتدل زندگی بسر کرتے تھے اور جس اصول کے پابند تھے وہ صرف یہ تھا کہ شریعت کے ممنوعات سے پرہیز کریں، مباحات کے دائرے میں زندگی کو محدود رکھیں، رزقِ حلال حاصل کریں اور راہِ خدا کی جدوجہد میں بہرحال ثابت قدم رہیں، خواہ اس میں فقر و فاقہ پیش آئے یا اللہ کسی وقت اپنی نعمتوں سے نواز دے۔ جان بوجھ کر برا پہننا جب کہ اچھا پہننے کو جائز طریقے سے مل سکے، اور جان بوجھ کر برا کھانا جبکہ اچھی غذا حلال طریقے سے بہم پہنچ سکے ان کا مسلک نہ تھا۔ ان میں سے جن بزرگوں کو راہِ خدا میں جدوجہد کرنے کے ساتھ حلال روزی فراخی کے ساتھ مل جاتی تھی وہ اچھا کھاتے بھی تھے، اچھا پہنتے بھی تھے اور پختہ مکانوں میں بھی رہتے تھے۔ خوش حال آدمیوں کا قصداً بدحال بن کر رہنا نبی ﷺ نے کبھی پسند نہیں فرمایا، بلکہ آپؐ نے خود ان کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اثر تمہارے لباس اور کھانے اور سواری میں دیکھنا پسند فرماتا ہے۔

میری سمجھ میں کبھی ان لوگوں کی ذہنیت نہیں آ سکی جو خود اپنے لئے تو اللہ کی ساری نعمتوں کو مباح سمجھتے ہیں اور دوسرے کسی بھی شخص کا اچھا کھانا اور اچھا پہننا ان کی نگاہوں میں نہیں کھٹکتا، مگر جہاں کسی نے اللہ کے دین کی خدمت کا نام لیا، پھر اس کا سادہ لباس اور سادہ کھانا، معمولی درجے کا مکان اور فرنیچر بھی ان کی نگاہوں میں کھٹکنے لگتا اور ان کا دل یہ چاہنے لگتا ہے کہ ایسے شخص کو زیادہ سے زیادہ بدحال دیکھیں۔ شاید لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی نعمتیں صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو خدا کا کام کرنے کے بجائے اپنا کام کرتے ہیں۔ رہے خدا کا کام کرنے والے، تو وہ خدا کی کسی نعمت کے مستحق نہیں ہیں۔ یا پھر شاید ان کے دماغوں پر راہبوں اور سنیاسیوں کی زندگی کا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ دین داری کے ساتھ رہبانیت کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں، اس لئے کھاتا پیتا دین دار ان کو ایک اعجوبہ نظر آتا ہے......

میرے نزدیک ہر وہ جائز سہولت جو آدمی کو دین کا کام بہتر اور زیادہ مقدار میں انجام دینے کے قابل بنائے نہ صرف جائز ہے بلکہ اس سے فائدہ اٹھانا افضل ہے، اور اسے ترک کر دینا نہ صرف ایک حماقت ہے بلکہ اگر وہ اظہارِ درویشی کی نیت سے ہو تو ریاکاری بھی ہے۔ آپ خود غور کریں کہ ایک شخص اگر موٹر استعمال کر کے کم وقت میں زیادہ کام کر سکتا ہو تو کیوں اسے استعمال نہ کرے؟ اگر وہ سیکنڈ کلاس میں آرام سے سفر کر کے دوسرے دن اپنی منزلِ مقصود پر پہنچتے ہی اپنا کام شروع کر سکتا ہو تو وہ کیوں تھرڈ کلاس میں رات بھر کی بے آرامی مول لے اور دوسرا دن کام میں صرف کرنے کے بجائے تکان دُور کرنے میں صرف کرے؟ اگر وہ گرمی میں بجلی کا پنکھا استعمال کر کے زیادہ دماغی کام کر سکتا ہو تو وہ کیوں پسینوں میں شرابور ہو کر اپنی قوتِ کار کا بڑا حصہ ضائع کر دے؟ کیا ان سہولتوں کو وہ اس لئے چھوڑ دے کہ خدا کی یہ نعمتیں صرف شیطان کا کام کرنے والوں کے لئے ہیں، خدا کا کام کرنے والوں کے لئے نہیں ہیں؟ کیا انہیں جائز ذرائع سے فراہم کرنے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی خواہ مخواہ چھوڑ دینا اور کام کے نقصان کو گوارا کر لینا حماقت نہیں ہے؟ کیا معترضین کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے سپاہی ہوائی جہاز پر چلیں اور خدا کے سپاہی ان کا مقابلہ چھکڑوں پر چل کر کریں؟ یا وہ چاہتے ہیں کہ کام ہو یا نہ ہو، ہم صرف ان کا دل خوش کرنے کے لئے اپنے آپ کو فقیر بنا کر دکھاتے پھریں؟

(رسائل و مسائل، دوم، ص 424-422)

دور جاہلیت اب پھر آگیا ہے!

—— تحریر: برکت اللہ، کراچی ——

طلوع اسلام سے پہلے دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر طرف بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ طاقت کا راج تھا۔ جو گروہ طاقتور ہوتا تھا۔ کمزور سے شکار چھین کر لے جاتا تھا۔

پھر طلوع اسلام ہوا۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ اللہ کے دین کو فروغ حاصل ہوا۔ اسلام کی تجلی پھیلی۔ ہر طرف دین کا بول بالا ہوا۔ نیکی، انسانیت، ہمدردی، بھائی چارگی اور انصاف کا بول بالا ہوا۔ جہالت کا اجالا پھیلا۔

اب ایسا معلوم ہوتا ہے، وہی جہالت انگڑائی لے کر جوان ہو رہی ہے۔ ہر طرف بت پرستی اپنے دوسرے انداز میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ جو طاقتور ہے کمزور کو دبا رہا ہے۔ اب سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ کوئی نبی نہیں آئے گا جو انسان کو انسان سے بچا سکے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے ہم خود اپنے آپ کو پورا کا پورا اسلام میں داخل کر دیں۔ اپنی ذات اور اپنے گھر سمیت سچے اسلام کے پیروکار بن جائیں اور جب ایک بڑی طاقت بن جائیں تو ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ تب ہی انسان دوسرے ظالم انسانوں کے ظلم سے بچ سکے گا۔

معذرت اور محاذ آرائی

—— تحریر: کے بی ملک ——

نرالی وضع ہے ان کی اور ان کے دل بھی کالے ہیں
یہ ظالم کون سی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں

14 اگست 1947ء کو اللہ نے ایک ملک ہمیں معجزاتی طور پر عطا فرمایا کہ ہم یہاں اللہ کا عطا کردہ نظام نافذ کریں گے۔ مگر ہماری وعدہ خلافی پر 25 سال بعد یہ ملک آدھا رہ گیا جسے فوج نے اپنے قبضہ اقتدار میں لے لیا۔

حال ہی میں ہمارے فوجی صدر نے بنگلہ دیش کا دورہ کیا اور ماضی کو بھول جانے کی بات کی۔ انہوں نے 71ء کے واقعات پر معذرت بھی پیش کی۔

یہ واقعہ ہے کہ بنگالیوں نے ہی انگریز سے آزادی کی جنگ لڑی تھی۔ آزادی کی تحریک ڈھاکہ سے شروع ہوئی تھی جس میں بنگالی قیادت کا ہمیشہ فعال اور موثر کردار رہا مگر آزادی کے بعد انہیں بتدریج محرومی سے دوچار ہونا پڑا جس کے نتیجہ میں وہاں عدم اطمینان اور پاکستان مخالف جذبات کو فروغ پانے کا موقع ملا جو بالآخر ملک کے ٹوٹنے پر منتج ہوا۔ حقیقت پسندی کا تقاضا تھا کہ صدر جنرل پرویز مشرف ملک توڑنے والوں کے ساتھ پاک فوج کے ان سپاہیوں اور افسروں کو بھی سلام پیش کرتے جنہوں نے پاکستان کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ صدر صاحب نے مہمانوں کی کتاب میں جو الفاظ درج کئے وہ یہ تھے:

''مفاہمت کی جرأت محاذ آرائی کے حوصلے سے عظیم تر ہوتی ہے۔''

کیا اچھا ہو کہ جنرل صاحب اپنی مفتوحہ قوم سے بھی مفاہمت کر لیں اور جاگیرداری اور سود ختم کر کے یہاں اللہ کا عطا کردہ نظام قائم کر دیں تا کہ اسے بھی آزادی کا سورج دیکھنا نصیب ہو۔ ساری دنیا سے مفاہمت، مگر اپنوں سے آگے اللہ اور رسول سے محاذ آرائی بلکہ اعلان جنگ! جناب صدر سود جاری رکھ کر آپ اللہ اور رسولؐ سے جنگ نہیں کر رہے تو کیا ہے۔ امریکہ سے دوستی اور اللہ سے جنگ؟ کاش کہ اس بدبخت، بے حس قوم میں ہی جان پیدا ہو جائے اور اس بے کسی، بے بسی، بے غیرتی اور بے حمیتی سے چھٹکارا حاصل کر کے ایک اللہ کی پناہ میں آجائے۔

''وہ جو پیچھے رہ گئے''

—— تحریر: ڈاکٹر شبیر احمد عبدالرشید، فلوریڈا ——

دو کرسچن ملاؤں نے بیٹھ کر کیا قیامت کی کتاب لکھی ہے کہ دیکھتے دیکھتے اس کتاب کی 14 ملین کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ کتاب کا عنوان ہے: ''وہ جو پیچھے رہ گئے۔'' "Left Behind"

آیئے! اب آپ کو مختصراً بتاتے ہیں کہ ان کتابوں میں لکھا کیا ہے؟

1۔ عیسیٰؑ کسی بھی وقت اب سے 2003ء کے اندر آسمان سے نازل ہونے والے ہیں۔

2۔ وہ صرف بیت المقدس میں اتر سکتے ہیں اس مقام پر جہاں آج مسجد اقصیٰ قائم ہے۔

3۔ لیکن وہ مسجد میں ہرگز نہیں اتر سکتے لہٰذا مسجد اقصیٰ کی جگہ حضرت سلیمان کا کہئے یا آج کے یہود کا نیا معبد آناً فاناً بنانا ہوگا۔

4۔ دنیا بھر کے مسیحیوں کا اور خصوصاً امریکیوں کا اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ وہ اسرائیل کی جم کر مدد کریں کیونکہ وہی لوگ عیسیٰؑ کی میزبانی سے مشرف ہوں گے اور اس لئے بھی کہ یہودی خدا کی چہیتی قوم ہے۔

5۔ وہائٹ ہاؤس پر تمام دنیا کے بااثر کرسچن ملاؤں کا دباؤ ہے کہ مسیحیوں کی نجات اسرائیل کی حمایت سے وابستہ ہے۔ مسلمان دہشت گرد ہماری قوت کو فنا کرنے ہی والے ہیں۔

6۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور مذہبی جذباتیت اس پیمانے پر یکجا ہوئی ہو جیسے امریکہ میں ہے۔

7۔ یہود عیسیٰؑ کا انتظار اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ انہیں وسیع بادشاہت عطا کریں گے۔

8۔ مسیحی اس لئے منتظر ہیں کہ عیسیٰؑ نازل ہوتے ہی دنیا بھر کے مسیحیوں کو اچانک آسمان کے اوپر خدا کی بہشت میں کھینچ لیں گے۔

9۔ ''یہ کھنچائی'' اتنی یکا یک ہوگی کہ تمام دنیا میں اڑتے ہوئے ہزار ہا بلکہ لاکھوں جہازوں کے مسیحی پائلٹ عملہ، مسافر وغیرہ بہشت میں پہنچ جائیں گے اور یہ ہزاروں لاکھوں جہاز ظاہر ہے دھائیں دھائیں زمین پر آن گریں گے۔

10۔ اب عیسیٰؑ ایک لاکھ چوالیس ہزار یہودی فوج کے ساتھ مل کر دجال کے خلاف سات سالہ جنگ لڑیں گے۔

11۔ دجال مارا جائے گا۔ امکان غالب ہے کہ یہ دجال صدام حسین ہوگا جو دنیا کو آخری جنگ کی طرف لے جائے گا۔ امریکہ کو فوراً عراق پر حملہ کر دینا چاہئے۔

12۔ یہ جنگ ''آرماگیڈون'' بس شروع ہوا ہی چاہتی ہے۔ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ۔

13۔ لطف کی بات دیکھئے کرسچن ملا بھی لکھ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ دجال کے ماتھے پر ''ک ف ر'' کفر لکھا ہوگا۔

14۔ ''وہ جو پیچھے رہ گئے'' "Left Behind" یعنی آسمانی جنت کی طرف نہیں اٹھائے گئے۔ وہ لوگ کون ہوں گے؟ آپ خود اندازہ فرما لیجئے۔

15۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سات سالہ جنگ کی مصیبتیں بھگتنے والوں میں ایک بلین ہندوؤں اور ایک بلین بدھ مت والوں کا کوئی ذکر نہیں۔

16۔ سات سالہ جنگ میں کامیاب ہونے اور دجال کو قتل کرنے کے بعد عیسیٰؑ دنیا پر ایک ہزار سال تک حکومت کریں گے۔ (قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ دین حق دنیا پر غالب آکے رہے گا)

17۔ جو نہایت حیران کن بات ان کتابوں میں لکھی گئی ہے وہ نہ جانے کس حوصلے اور ہمت کے تحت لکھ ڈالی گئی، وہ یہ ہے کہ سات سالہ عالمی جنگ کے دوران دنیا کے دو تہائی یہودی مارے جائیں گے باقی ایک تہائی جو بچیں گے ان میں سے کچھ مسیحی ہو جائیں گے اور جو نہیں ہوں گے ان پر خدا کی جانب سے عملی طور پر پھٹکار برسے گی۔ (چہیتی قوم کا یہ حشر!)

18۔ دیگر لوگ دنیا کے یعنی مسلمان سب کے سب عیسائی ہو جائیں گے۔

صاحبو یہ ہے وہ تارپین جو کرسچن ملا نے بڑی کامیابی سے اپنی گائے کو پلا دیا ہے۔ امریکہ کے 77 فیصد عوام ان کتابوں پر اس لئے یقین کر رہے ہیں کہ ان میں جا بجا بائبل کی آخری کتاب وحی "Revelation" کا حوالہ دیا گیا ہے۔

تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کراچی کے زیر اہتمام مباحثہ

اس سال موسم گرما کی تعطیلات کے دوران کراچی کے مقامی نظم کی جانب سے حلقہ خواتین نے نوجوان رفیقات کے لئے ایک مباحثہ کا اہتمام کیا' جس کا موضوع ''خود اعتمادی'' تھا۔ یہ پروگرام **28** جولائی کو صبح **11** بجے سے سہ پہر **3** بجے تک قرآن اکیڈمی میں منعقد کیا گیا۔ اس کی کارروائی سوال و جواب کے انداز میں ہوئی۔ میزبانی کے فرائض محترمہ اصفیہ نے ادا کئے۔ پروگرام کا آغاز لیلیٰ خالد نے سورۃ النور کی آیات حجاب کی تلاوت اور ترجمے سے کیا۔

نماز کے بارے میں کئے گئے اس سوال پر کہ ''ہم نماز کیوں پڑھیں؟'' بی اے کی طالبہ زاہدہ نے الٹا سوال کیا کہ ''ہم نماز کیوں نہ پڑھیں؟'' جبکہ یہ مومن کی معراج اور کفر و اسلام کا حدفاصل ہے۔ نماز سے خود اعتمادی پیدا ہونے کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اگر دنیاوی معاملات میں کسی اہم عہدے دار کو اپنا مسئلہ پیش کر کے ہم مطمئن ہو جاتے ہیں تو پھر پوری کائنات کے مالک اور مسبب الاسباب کے سامنے اپنا مسئلہ کیوں نہ رکھا جائے تاکہ ہم زیادہ مطمئن اور پُر اعتماد ہوں۔

معیشت کے حوالے سے بی اے (آنرز) کی طالبہ قرۃ العین نے سود کے حرام ہونے پر عقلی دلائل دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ نظام معیشت معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلی کر رہا ہے۔ قرض پر لیا گیا منافع دوسرے کی مجبوری کا سودا ہے' جس سے معاشرے میں خود غرضی رچ بس جاتی ہے اور باہمی اعتماد کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ ڈاکٹر امبر ہارون نے کہا کہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کی غرض سے آئی تھی مگر وہ نہ صرف ہمیں اپنا ذہنی غلام بنانے میں کامیاب ہوئی بلکہ ان کے کلچر کو فروغ بھی حاصل ہوا۔ اور آج ہمارے یہاں بھی ملٹی نیشنل کمپنیاں ایک طرف موسیقی کے کنسرٹس اور دوسرے طریقوں سے اپنا کلچر فروغ دے رہی ہیں اور دوسری طرف ہماری مقامی صنعت کو تباہ کر رہی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا مظاہرہ پی ایس او اور شیل کے ضمن میں نظر آیا ہے۔ دنیا کی **500** بڑی کمپنیوں میں شامل پی ایس او **30** ارب کے اثاثوں کی مالک تھی مگر جب واپڈا اس کا مقروض ہوا اور پی ایس او نے اس کو تیل کی فراہمی کم کی تو یہودی کمپنی شیل نے فوراً واپڈا کو کم نرخوں پر پورا تیل دینے کا معاہدہ کر لیا اور پی ایس او کے حصص گرا دیئے۔ پی ایس او کے مینجنگ ڈائریکٹر شوکت مرزا کو قتل کرایا گیا اور یوں پاکستانی کمپنی کو خسارے کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے نوجوان نسل سے اپیل کی کہ ملکی مصنوعات استعمال کریں اور یہودی کمپنیوں کا بائیکاٹ کریں تاکہ کسی حد تک ان کی معیشت کو زوال پذیر کر سکیں۔ اسلامی معیشت کا غیر اسلامی معیشت سے موازنہ کرتے ہوئے حلقہ خواتین کراچی کی نائب ناظمہ محترمہ ناہید نے کہا کہ اسلامی معیشت قرض حسنہ پر رغبت دلاتی ہے اور پھر قرض دار کی تنگدستی کی وجہ سے قرضہ معاف کرنے اور صدقہ کے رجحان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

پردہ کے موضوع پر بہت سے متضاد سوالات ہوئے۔ مثلاً یہ کہ پردہ کرنے سے خاندانی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں' تعلقات پر ضرب پڑتی ہے اور رشتہ داروں کی ناراضگی بڑھ جاتی ہے۔ اس پر بی اے کی طالبہ محترمہ شفق کا اتنا جواب ہی کافی تھا کہ ''کیا بے پردہ عورتوں کے خاندان میں یہ تمام چیزیں نہیں ہوتیں؟'' ظاہر ہے کہ اصل سبب حکمت عملی کا فقدان ہے۔ اس سوال پر کہ قرآن میں چہرے کے پردے کے بارے میں کہاں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے' حاضرین میں موجود ایک بچی نے کہا کہ قرآن میں پردے کا حکم ہے مگر یہ پردہ کیسا ہو' اس کے بارے میں ہمیں امہات و صحابیات کی زندگی سے پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر امبر نے بھی انتہائی فراست سے اس نکتہ کو واضح کیا کہ چہرے کا شمار زینت میں ہوتا ہے اور قرآن میں ''زینت'' کو ظاہر نہ کرنے کا حکم ہے۔ محترمہ شفق نے کہا کہ پردہ ہمارے اندر خود اعتمادی پیدا کرتا ہے اور خود کو محفوظ ہونے کا تصور دیتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ احساس کہ ہماری وجہ سے کسی مرد کا ایمان خراب نہیں ہو رہا۔ پردہ لڑکیوں کے رشتے میں رکاوٹ بنتا ہے؟ اس سوال کا جواب محترمہ یاسمین نسیم نے انتہائی جذباتی انداز میں دیتے ہوئے کہا کہ ''رشتہ کرنا تو دور کی بات ہے' کیا ہم اس بات پر بھی قادر تھے کہ ان بچیوں کو پال پوس کر اس قابل بنا سکتے جیسی یہ نظر آ رہی ہیں؟'' یقیناً جس ذات نے انہیں آج اس قابل بنایا ہے' وہ کل بھی ان کی نگہبانی کرے گا۔ ہم تو ہر معاملہ میں اس کی رضا کا خیال رکھیں گے۔

اسلام اور سائنس سے متعلق بات کرتے ہوئے ڈاکٹر امبر ہارون نے واضح کیا کہ سائنس صرف دریافت کا نام ہے' ایجاد کا نہیں۔ اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی گمراہی کا دروازہ کھلا ہے۔ اگر ہم تحقیقی طور پر قرآن کو پڑھیں تو تمام سائنسز کے نشان اس میں مل جاتے ہیں اور یہ بات ایک مسلمان کو پُر اعتماد بناتی ہے کہ وہ جس کتاب کی تلاوت کرتا ہے' وہ اس کو روح کی بالیدگی کے ساتھ ساتھ عقلی طور پر بھی تدبر کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ زمین و آسمان اور کائنات اور اس سے باہر کی تمام سائنس ''قرآن'' ہے۔ یہی یقین ہمیں اعتماد بخشتا ہے۔

اخلاقیات کے ضمن میں بی کام کی طالبہ محترمہ شیریں نے کہا کہ باطنی بیماریاں اور اخلاق رذیلہ دراصل احساسِ کمتری کی پیداوار ہیں' جبکہ اخلاقِ حسنہ پُر اعتماد شخصیت کے اوصاف ہوتے ہیں۔ سچ ہمیشہ اعتماد سے بولا جاتا ہے اور جھوٹ بول کر انسان ڈر اور خوف کا شکار ہو جاتا ہے۔ تمام برے اخلاق بے چینی میں مبتلا کرنے کا باعث بنتے ہیں' جس سے شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔

اس مباحثے میں حاضری تقریباً **100** رہی۔ چونکہ اس نوعیت کا یہ پہلا پروگرام تھا لہٰذا صرف رفیقات اور ان کی نوجوان بچیوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ یہ مشورہ دیا گیا کہ آئندہ سے رفیقات کے علاوہ دوسری خواتین اور ان کی بچیوں کو بھی بلانے کا انتظام کیا جائے۔ اس مباحثہ میں حصہ لینے والی نوجوان رفیقات نے اپنے بھرپور اعتماد سے یہ ثابت کر دیا کہ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کراچی اپنے مستقبل کو محفوظ کر چکی ہے۔ پروگرام کا اختتام محترمہ یاسمین نسیم کی ایمان افروز نظم پر ہوا۔ (رپورٹ: رضیہ ہارون)

انجمن خدام القرآن سندھ کے زیر اہتمام اسلامی بینکاری کے موضوع پر لیکچرز

30 اور **31** اگست کو انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی کے زیر اہتمام ایف ٹی سی آڈیٹوریم' کراچی میں اسلامی بینکاری کے موضوع پر لیکچرز کا انعقاد کیا گیا۔ لیکچرز دینے کے لئے جناب عاطف وحید خصوصی دعوت پر اسلام آباد سے تشریف لائے۔ موصوف انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی کے نگران جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے فرزند ہیں اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی' اسلام آباد کے شعبہ معاشیات میں لیکچرار کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ موصوف اسی یونیورسٹی سے Economic Justice : An Islamic Perspective پر پی ایچ ڈی بھی کر رہے ہیں۔

پہلے روز کے لیکچر کا موضوع ''اسلام کی بنیادی معاشی تعلیمات'' تھا۔ جناب عاطف وحید نے معاشیات کے ضمن میں اسلام کی قانونی و اخلاقی تعلیمات بیان کیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کی بنیادی معاشی تعلیمات ظلم کی ممانعت' عدل کے حکم اور احسان کی ترغیب و تشویق پر مشتمل ہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے انہوں نے اسلام میں حقِ ملکیت' انتقالِ ملکیت' انتفاعِ ملکیت' تبادلۂ مال کی صورتوں' بیع و شراء کے ممنوع و جائز طریقوں اور سود اور جوئے کی ممانعت جیسے موضوعات کو نکات کی صورت میں تفصیل سے بیان کیا۔ انہوں نے اپنی گفتگو کو قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے مناسب حوالہ جات سے بڑی عمدگی کے ساتھ مؤکد کیا۔ مہمانِ خصوصی جناب جسٹس (ر) وجیہہ الدین نے کہا کہ غیر سودی بینکاری مشارکہ کی صورت میں ممکن العمل ہے لیکن اس کے لئے مضبوط ارادے اور ہمت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے اسلامی بینکاری کے حوالے سے مختلف حکومتوں کے منفی کردار کی شدید مذمت کی۔ اس روز نشست کی صدارت انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی کے صدر جناب زین العابدین جوا نے کی۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد بطور سامع شریک ہوئے۔

دوسرے روز ''اسلام میں بینکاری کے امکانات اور اساسات'' کے موضوع پر لیکچر ہوا۔ جناب عاطف وحید نے اسلامی بینکاری کے حوالے سے پاکستان میں ہونے والی پیش رفت اور پسپائی کی تفصیلات بیان کیں اور اس حوالے سے مستقبل کے امکانات کا جائزہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کی صورت میں بینکوں کی حیثیت انوسمنٹ کمپنیوں کی ہوگی۔ بینک معاشی سرگرمیوں میں براہ راست حصہ لیں گے اور کھاتہ داروں اور کاروباری طبقہ کے درمیان ایک منتظم کی حیثیت سے کام کریں گے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مشارکہ' مضاربہ' بیع مؤجل اور اجارہ کو Modes of Financing کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے لیزنگ کی رائج صورتوں کی شدت سے نفی کرتے ہوئے انہیں غیر اسلامی قرار دیا۔ مہمان خصوصی جناب عبدالجبار خان نے کہا کہ حکومت نے حرمت سود کے ضمن میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ کے

ذریعہ کالعدم کروا دیا اور اس مسئلے کو دبانے کی کوشش کی' لیکن جناب ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کے قائم کردہ ادارے اس مسئلے کو زندہ رکھنے کی قابل قدر کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی کی شائع کردہ کتاب ''سود۔ حرمت' خباثتیں' اشکالات'' کی تحسین کی۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی بینکاری کے لئے بیع مرابحہ کو زیادہ اہمیت دینی چاہئے۔ صدر مجلس جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے جناب عاطف وحید کے لیکچرز پر اطمینان کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلام کی معاشی تعلیمات کی روشنی میں بینک صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتے ہیں اگر شیخ محمود احمد مرحوم کی پیش کردہ Time Multiple Counter Loan کی تجویز پر عمل کیا جائے۔ بصورت دیگر بینک انوسٹمنٹ کمپنیوں کے طور پر کام کریں گے اور مشارکہ' مضاربہ اور اجارہ کو Modes of Financing کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ وہ بیع مؤجل اور بیع مرابحہ کو Modes of Financing کے طور پر اختیار کرنے کو درست نہیں سمجھتے۔ دور ملوکیت میں انہی کے ذریعہ سود کو جائز کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ سود کے حوالے سے سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے نے ثابت کر دیا ہے کہ اس ملک میں سود کا مکمل خاتمہ عوامی تحریک اور انقلابی جدوجہد کے بغیر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی جدوجہد کے لئے استقامت کے ساتھ مال اور جان لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(رپورٹ: شجاع الدین شیخ)

گوجر خان میں حلقہ پنجاب (شمالی) کا سالانہ علاقائی اجتماع

یہ اجتماع 25 اگست کو جامع مسجد العابد' گوجر خان میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز صبح دس بجے قرآن پاک کی تلاوت سے ہوا' جس کی سعادت جناب قاری انیس الرحمٰن نے حاصل کی۔ جناب شمیم احمد نے ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر آدھا گھنٹہ بڑے موثر اور مدلل انداز میں تقریر کی۔ چائے کے وقفہ کے بعد نائب امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید نے منتخب نصاب نمبر 2 کے ایک درس ''نظم اور عہد'' پر گفتگو فرمائی۔ سورۃ التوبہ اور سورۃ الفتح کی آیات کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ مومنوں سے یہ عہد کرتا ہے کہ: ''میں نے مومنوں سے خرید لی ہیں ان کی جان اور مال جنت کے عوض''۔ یہ عہد یا سودا ہر صاحب ایمان سے ہے۔ جیسا کہ ہر معاہدے میں دو فریق ہوتے ہیں' اسی طرح یہاں بھی ایک فریق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور دوسرا اہل ایمان۔ اپنے عہد کو پورا کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا' لیکن اس سے پہلے مومنوں کو بھی اپنا عہد پورا کرنا ہوگا۔ ایک مثال کے ذریعے وضاحت کرتے ہوئے نائب امیر نے کہا کہ ایک مزدور اور ایک مالک کے درمیان یہ عہد ہوتا ہے کہ مزدور آٹھ گھنٹے کام کرے گا جس کے عوض مقررہ اجرت مالک ادا کرے گا۔ لیکن مزدور اگر صرف آدھا دن کام کرے یا کام کو صحیح طور پر مکمل نہ کرے تو ایسے میں وہ اجرت کا حقدار کیسے ہو سکتا ہے! اسی طرح مسلمان اگر اللہ سے کئے گئے عہد کو پورا کریں گے تو وہ جنت کے حقدار ٹھہریں گے۔ مومنوں کے ذمہ جو کام لگایا گیا ہے وہ اقامت دین اور غلبہ دین کی جدوجہد ہے۔ دین اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کرنے کی کوشش کرنا اور اس کام میں اپنی جان و مال کھپانا ہر مسلمان پر لازم ہے جبکہ اس کو کامیابی سے ہمکنار کرنا اللہ کا کام ہے۔ جو مومن غلبہ دین کے لئے محنت کرتے ہیں اور اس راہ میں اپنی جان و مال صرف کرتے ہیں' وہ اپنا عہد پورا کر رہے ہیں اور ان کے لئے آخرت کی کامیابی یقینی ہے جو کہ حقیقی اور ابدی ہے۔ احادیث کی رو سے قیامت سے قبل اللہ کا دین پوری روئے زمین پر غالب ہو کر رہے گا۔ کامیاب اور اخروی فوز و فلاح پانے والے مومن وہی ہوں گے جو اس کام کے لئے جدوجہد کریں گے اور اپنا جان و مال اس میں لگاتے رہیں گے۔

اس خطاب کے بعد حلقہ کے ناظم جناب خالد محمود عباسی نے 14 گروپ تشکیل دیئے۔ ہر گروپ میں 10 سے 15 تک رفقاء شامل تھے۔ ہر گروپ کے امیر نے اپنے گروپ میں ''دینی فرائض کا جامع تصور'' بیان کیا اور رفقاء سے اس کے متعلق آیات سنیں۔ پھر گروپ کے کسی رفیق نے اپنے انداز میں ان فرائض کو بیان کیا۔ جناب خالد محمود عباسی نے 5 تا 10 رفقاء پر مشتمل 10 پارٹیاں تشکیل دیں۔ ان گروپوں نے شہر کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور ''دینی فرائض کا جامع تصور'' کے ہینڈبل تقسیم کئے۔

نماز ظہر اور کھانے کے وقفہ کے بعد حلقہ پنجاب (شمالی) کی تنظیموں کا تعارف ہوا۔ ہر مقامی امیر نے اپنی تنظیم اور اس کے رفقاء کا تعارف کرایا' اور اپنے علاقے میں ہونے والے تنظیمی کاموں کا جائزہ پیش کیا۔ شام پانچ بجے جناب حافظ عاکف سعید نے اختتامی خطاب فرمایا۔ سوا پانچ بجے دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

اس علاقائی اجتماع کی نظامت کے فرائض جناب خالد محمود عباسی نے ادا کئے اور اس میں 180 رفقاء نے شرکت کی۔

(رپورٹ: مرتضیٰ شاہ)

ٹوبہ ٹیک سنگھ میں حلقہ پنجاب (وسطیٰ) کا تبلیغی و دعوتی پروگرام

حلقہ پنجاب (وسطیٰ) کے امیر محترم مختار حسین فاروقی کی زیر سرپرستی یہ سہ روزہ تبلیغی و دعوتی پروگرام 16 تا 18 اگست منعقد ہوا۔ حلقہ میں شامل اضلاع ٹوبہ' جھنگ اور لیہ کے رفقاء کو اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی۔ پروگرام کا آغاز ڈسٹرکٹ بار کونسل ہال ٹوبہ میں درس قرآن سے ہوا۔ امیر حلقہ نے تقریباً 25 وکلاء کے سامنے سورۃ بنی اسرائیل کی آیات کے حوالے سے بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی تاریخ بیان کی۔ خطاب جمعہ قاسمیہ مسجد' فیض کالونی میں ہوا جس میں محترم فاروقی صاحب نے سورۃ الاعراف کی آیات کے حوالے سے قصہ آدم و ابلیس تفصیل سے بیان کیا۔ کم و بیش 125 احباب نے اس خطاب کو سنا۔ نماز عصر کے بعد ''تعارف تنظیم اسلامی'' نامی کتابچہ کا اجتماعی مطالعہ ہوا۔ نماز مغرب کے متصلاً بعد امیر حلقہ نے ''ختم نبوت اور اس کے تقاضے'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ موصوف نے نہایت سلیس انداز میں ختم نبوت کا مفہوم بتایا۔

17 اگست کو نماز فجر کے بعد جامع مسجد عثمانیہ میں محترم فاروقی صاحب نے سورۃ البقرہ کی ایک آیت کے حوالے سے عبادت رب کا مفہوم اور اس کے تقاضے بیان کئے۔ کم و بیش 30 احباب نے بڑی توجہ اور انہماک سے اس درس کی سماعت کی۔ بیشتر رفقاء نے قیام گاہ پر جناب محمد صادق کا درس سنا' جس میں سورۃ الحجرات کی آیات کے حوالے سے ایمان حقیقی کی وضاحت کی گئی۔ ناشتے اور استراحت کے وقفے کے بعد امیر حلقہ دیگر رفقاء کے ہمراہ قیام گاہ پر موجود رہے تاکہ رفقاء اور دیگر احباب بالمشافہ گفتگو کے ذریعے مختلف دینی موضوعات پر تبادلہ خیال کر سکیں۔ نماز عصر کے بعد امیر حلقہ کی ہدایت پر رفقاء گروپس میں تقسیم ہو کر مختلف علاقوں میں دعوت کے لئے روانہ ہو گئے۔

نماز مغرب کے بعد محترم فاروقی صاحب نے 35 احباب سے ''موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر مفصل خطاب کیا اور موجودہ حالات کی سنگینی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت یہود باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے امریکہ کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم توبہ کریں' مالک حقیقی کی طرف رجوع کریں' اس کی نافرمانی کو ترک کر کے صحیح معنوں میں اس کے بندے بنیں' پھر اس کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدوجہد کے لئے کسی دینی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث کے حوالے سے توجہ دلائی کہ کسی دینی جماعت میں شامل ہونا ایک فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

18 اگست کو محلہ اقبال نگر کی جامع مسجد میں نماز فجر کے بعد فاروقی صاحب نے سورۃ الحجرات کی دو آیات کے حوالے سے درس دیا۔

اس کے ساتھ ہی حلقہ پنجاب (وسطیٰ) کا یہ سہ روزہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: خلیل الرحمٰن)

بقیہ: مکتوب شکاگو

طبقہ ان غیر ملکی مبصرین کی خوب آؤ بھگت کرتا ہے اور اپنے آپ کو لبرل ظاہر کرنے کے لئے تمام اسلامی اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے جبکہ دوسری طرف یہ مبصرین اپنے اپنے اخبارات کے لئے پاکستان اور اسلام کے خلاف چٹ پٹا مواد تیار کرتے ہیں اور پاکستان کو سیکولرازم کی طرف بڑھتا ملک قرار دیتے ہیں۔ وہ پاکستان کی ایٹمی پاور انتہا پسندوں کے ہاتھ لگ جانے کے خدشات بھی ظاہر کرتے ہیں اور یہی دراصل وہ کمبل ہے جو مغرب چھین لینا چاہتا ہے ___ ہماری مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک رات اپنے گھر میں اپنا نیا کمبل اوڑھے بیٹھا تھا کہ باہر سے کچھ افراد کے لڑنے کی آواز آئی۔ باہر جا کر دیکھا تو لڑنے والے لڑائی بند کر کے اس پر پل پڑے اور کمبل لے کر بھاگ گئے۔ جب گھر والوں نے لڑائی کی وجہ دریافت کی تو جواب دیا: بظاہر تو میرا کمبل ہی تھا!

motivated, eight or nine of every ten members of 101 could fight the claims of their incompletely silenced consciences and go on with their filthy jobs, the Americans and their Allies would do the same against Muslims without any remorse.
We can see precious few signs that the men of 101 had consciences to squelch. They seem to have been feeling great like the Israelis taking photos with dead Palestinians and Americans inscribing their names on the bombs before dropping on Iraqis during Ramadan. We can find evidence of this in the general good spirits of Germans, their openness about their genocidal slaughtering, the excessive brutality with which they went about their business, what they said and did not say in their off-the-job conversations, the alacrity with which they participated in murderous operations from which they could have obtained exemptions, and their neglect of readily available opportunities to obtain transfers from the Order Police. The men of Battalion 101 and those of similar units killed Jews because they wanted to kill Jews, because they, like virtually all of their countrymen, had been thoroughly corrupted by an insidious ideology.
On reading books like Hitler's Willing Executioners: Ordinary Germans and the Holocaust (Knopf, 622 pages) by Daniel Jonah Goldhagen, one might think the book is designed to disabuse readers of any such notions and to place the primary blame for the Holocaust on the German people in general. But this is definitely not the case; indeed, such books are the ablest defence of the idea that leaders cannot turn a people into killers unless they willingly start ignoring the reality and blindly follow their leaders' propaganda.
We can see from the outside that most of the ordinary Americans have been marginalised. Even those in the corridors of powers have little room to manoeuvre when it comes to telling the truth. This situation is not very different than what existed in Germany before an all out war on Jews. Hitler's genocidal plans long antedated his genocidal actions. If from the time he seized power until the launching of Operation Barbarossa he pursued less drastic goals than the extermination of the Jews, this was not by choice but for lack of any prudent alternative. At each phase of its development, the major thrust of Nazi policy was the maximum feasible eliminationist options possible given the existing opportunity and constraints. And Hitler very clearly opted for extermination at the first moment that the policy became practical.
Men like Browning spent years poring over documents of Nazi era. It is difficult to summarise the evidence Goldhagen brings to demonstrate just how hearty and enthusiastic was the participation of the German people in the Holocaust. What we can say for sure is that in the face of the facts and arguments historians like Goldhagen marshal, it is extremely difficult to exculpate the great mass of ordinary Germans in the Hitler era. The same will be true for the Americans tomorrow. Present day Americans have to decide whether they want to be willing executioners of Muslims and whether they want to live under people infected with anti-Islam bias. We hope they would not want the US to be home of a people under the sway of absurd, racist beliefs and for that they find the truth and learn how to speak truth to power.

ضرورت رشتہ

ایبٹ آباد کے رفیق تنظیم کی بچی' اچھے خاندان سے تعلق' تعلیم ایم اے اسلامیات' صوم وصلوٰۃ کی پابند' نیک سیرت و خوبصورت کے لئے اسی جوڑ کا مناسب رشتہ درکار ہے۔
رابطہ: معرفت عبدالجلیل' پاپولر فوٹو سٹوڈیو' مال روڈ' ایبٹ آباد

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

دعوت فکر

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مفتی سیف اللہ حقانی کی نگاہ میں

ووٹ کا حقدار کون؟

سوال: (الف) ووٹ کس کو دیا جائے؟ (ب) کیا ووٹ کی خرید وفروخت جائز ہے؟ اور اس پر لی گئی رقم مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے؟

جواب: (الف) آنے والے الیکشن میں ایسے شخص' ایسی پارٹی کو ووٹ دینا ناجائز ہے جو ملک میں نفاذ اسلام کے بجائے مغربی جمہوریت کے لئے کام کر رہا ہو' اور جس کا قبلہ مکہ نہ ہو بلکہ امریکہ ہو' اور جو امریکی غلامی اور تسلط کو مایہ افتخار سمجھ رہا ہو اور یا ایسے لوگوں کا ساتھ دے رہا ہو اور جو اسلامی سزاؤں اور حرمت سود کے خلاف لب کشائی کر رہا ہو اور یا ایسے بے ایمان لوگوں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہو جو ملک کو سیکولر سٹیٹ بنانے کی خواہش کر رہا ہو اور ملک کو فحاشی و عریانی اور زن و مرد کے خلط کی آماجگاہ بنانا چاہتا ہو۔ اور جو قومی وسائل کو لوٹنے والا اور قوم و ملک کے اسلامی تشخص کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ اور یا ایسے لوگوں کا ساتھ دینے والا ہو' نیز ایسے شخص کو ووٹ دینا بھی ناجائز ہے جو جہاد کو دہشت گردی اور مجاہدین اسلام کو دہشت گرد کہہ رہا ہو یا ایسے لوگوں کی پشت پناہی کر رہا ہو اور جو اہل وطن پر غربت و افلاس و بے انصافی اور مہنگائی مسلط کر رہا ہو' آنے والے الیکشن میں صرف ایسے شخص اور ایسی پارٹی کو ووٹ دینا جائز ہے بلکہ ضروری ہے کہ اس میں درج بالا خامیاں نہ ہوں اور ملک میں اسلامی نظام کو نافذ کر کے ملک کو اسلامی ملک و سٹیٹ بنانا چاہتا ہو۔ اور صرف وطن عزیز کو نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کو تمام کفار بالخصوص امریکہ کے تسلط سے آزاد کرانا چاہتا ہو' اور خود مجاہد بن کر مجاہدین کی حوصلہ افزائی کر رہا ہو۔ اور ملک کو امن وامان' عفت وحیاء اور ایمان واسلام کی آماجگاہ بنانا چاہتا ہو۔ اور کفار کے مقابلہ کے لئے قرآنی حکم کے مطابق ہر قسم کے اسلحہ (خواہ وہ ایٹم بم ہو یا اس سے کوئی اور قوی اسلحہ) تیار کرنے کا مومنانہ جذبہ رکھتا ہو۔ اور جو ملک سے غربت وافلاس و بے انصافی اور مہنگائی کو ختم کر کے اہل وطن کو خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں۔

(ب) ووٹ کی خرید وفروخت ناجائز ہے اور ووٹ پر لی گئی رقم کا استعمال بھی ناجائز ہے' اور ایسی رقم مسجد میں صرف نہیں کی جاسکتی ہے۔ (معتبرات الفقہ)

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: Abidjan@tanzeem.org)

Wake up America

A German Minister has likened Bush Junior to Hitler. The remarks are seemingly directed at the American public, rather than its leadership – to alert the unsuspecting American to his role in the looming World War! A war in which the enemy of choice for the Christian World are no longer the Jews, but Muslims!

To understand what is happening to the American people, we need to go back in history. Irrespective of the claims that Holocaust did not happen, or it was the initially unintended and largely inadvertent result of a confluence of wartime circumstances, we need to be more concerned with those who have failed to recognize the true nature of the part the German people played in the implementation of Hitler's plans. We need to see if Americans are following the same course or they still have some power to reign in their leaders.

By the time Hitler appeared on the scene, most Germans were thoroughly imbued with a racist brand of eliminationist anti-Jew feelings. The same way Western media - particularly the American print and electronic sources of information - has been trying its best to thoroughly instill the same kind of racist brand of anti-Islam feelings among the western public since 1990. Just like the American attitude after September 11, the Germans were not fully primed for massacres, only that they agreed it would be desirable to exclude the racially alien and menacing Jews from the life of their nation one way or another. Such a consensus was the result of years long propaganda, just as we have been watching since the fall of former Soviet Union against Islam and Muslims.

Like post-September 11 mood in many Western cities, German attitude was pregnant with murder, but the baby could not be born until a state that would not permit the organisation of anti-Jews sentiments into systematic persecution was replaced by one directed by the most virulent and dedicated anti Jews persons ever to assume the leadership of a modern nation.

Just as no anti-Islam feeling played any role in Bush's election, Hitler too was elected without any reference to the Jewish problem. Although Nazi anti-Jews attitude mirrored the sentiments of German culture, it had no link to the electoral success of Hitler's party. There were a host of other factors which explain Nazi appeal better than fear of Jews. Once in power, however, Hitler and the Nazi could unshackle and thereby activate Germans' pre-existing pent-up anti-Jew rage and guide it toward a murderous goal that would have been beyond the capacity of the great majority even to imagine. When others finally showed the way to genocide, they displayed a ready willingness to follow.

Today, we find most of the Americans indifferent to the foreign policy of their country. Tomorrow they would have to shoulder more responsibility for bloodletting of Muslims than their President. To many historians, it is wrong to exculpate majority of the German people by depicting them as merely indifferent to the fate of the Jews. Such indifference in the face of one's neighbour's extreme suffering is nothing less than a virtual psychological impossibility, but if indeed it somehow existed, it constituted a cognitive state that still requires further elucidation.

Why should Germans have been indifferent to the slaughter of Jews but not to many other occurrences that, on the face of it, should have been less likely to have stirred them from a state of total neutrality than would the elimination measures that culminated in mass murder? What has been mistakenly labelled "indifference" was in realty an ideology and morally depraved pitilessness. Pick up any mainstream American newspaper or magazine, or watch any talk show on foreign affairs and you will find a copy of the same ideology wrapped in the American colours - this time against Muslims as enemies of the West.

This deluded and inhuman state of mind was so typical of the Germans of the Nazi era that virtually any citizen could easily have been promoted from the state of guilty bystander to that of wholehearted accomplice in genocide. Nothing illustrate this better than the men of the Order Police, who patrolled German occupied territory and massacred Jews by the thousands. Compare German Order Police with US marines and other forces who are bombing marriage ceremonies in Afghanistan and starving millions to death in Iraq.

Christopher R. Browning, the author of Ordinary Men: Reserve Police Battalion 101 and the Final Solution in Poland, devotes a great deal of attention to the unusually well documented activities of one Order Police battalion. Many authors stress that the men of 101 were selected for their task more or less randomly. In their attempt to explain how such ordinary men could rapidly become professional killers, both emphasize the fact that they were like the rest of German society immersed in a deluge of racist and anti-Jews propaganda that bred in them an aversion to Jews. Killing thousands of retreating Iraqi forces during the Gulf War and bombing mosques and homes in Afghanistan in 2001 represent the same kind of mentality with an aversion to Muslims.

This was however not enough to turn the men of Battalion 101 into obedient murderers. The decisive contributing factor in their transformation was their fear that they would risk isolation, rejection and ostracism if they did not shoot Jews - a very frightening prospect within the framework of a tight-knit unit stationed abroad among a hostile population. Compare this with Allied forces in Afghanistan today and Iraq tomorrow. If